مرتبہ:۔ پرکاش پنڈت

U-2

پاکستان کی اردو شاعری

پاکستان کے تمام نامور شاعروں کا منتخب کلام

پاکستان کی اردو شاعری

اُردو شاعری کے قارئین کے لئے اردو شاعری کے مستند مرتب پرکاش پنڈت کا ایک اور نایاب تحفہ ـــــ "پاکستان کی اُردو شاعری"۔ پاکستان کی انیس سالہ شاعری میں جوانی کی سرمستیاں تو ہیں ہی، بچپن کی سادگی اور بلوغت کی سنجیدگی بھی ہے - اور ہے ـــــ اس سرزمین کی بُو باس جسے ہم ہندوستان کہتے ہیں۔

پاکستان کے تمام مشہور و معروف شاعروں کی منتخب غزلوں، نظموں، قطعوں، رباعیوں، گیتوں، دوہوں اور زنگارنگ شعروں کا تر و تازہ گلدستہ۔

بکس

پرائیویٹ لمیٹڈ
جی۔ ٹی روڈ
شاہدرہ، دلی ۳۲

(کوہ نور پرنٹنگ پریس، دلی)

پاکستان کی اُردو شاعری

مرتبہ: پرکاش پنڈت
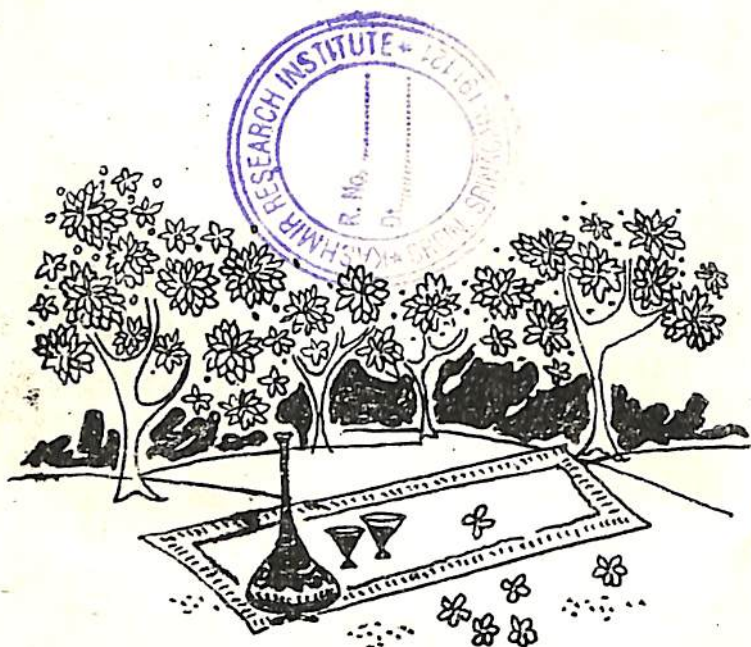
PAKISTAN KI URDU SHAIRI : POETRY
EDITED BY—PRAKASH PANDIT

قیمت ایک روپیہ

کچھ پاکستانی شاعری کے بارے میں

کسی بھی ادب یا فن کو ملکوں اور قوموں کی حدود میں منقسم کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب میرے ذہن میں پاکستان کی اردو شاعری کو ترتیب دینے کا خیال آیا تو ایک دو مرتبہ نہیں، میں نے پچاسوں مرتبہ سوچا کہ میرا یہ اقدام کس حد تک مناسب اور مفید رہے گا۔

پاکستان ــــ کسی وقت ہندوستان کا حصہ ہی نہیں، ہندوستان تھا۔ ہندوستان کی تہذیب، تمدن ــــ زبان، لباس، طرزِ زندگی وغیرہ سب کچھ ہندوستانی تھا (اور بعض ممالک میں تو اب بھی پاکستانیوں کو ہندوستانی کہہ کر پکارا جاتا ہے) اور اسی وجہ سے مجھے شہہ ملی کہ پاکستانی شاعروں کی جانب نظر اٹھاؤں کہ آخر پاکستان بننے کے انیس بیس برس بعد پاکستانی شاعر 'اسلامی ادب' کے سیاسی نعرے سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ اور اُس اسلامی ادب کی شکل و صورت کیا ہے۔

دیکھا ــــ اردو شاعری کے طالب علم کی حیثیت سے بہت دیکھا، لیکن چند افلاطونی قسم کی نظموں کے علاوہ اسلامی ادب کے زمرے میں آنے والی کوئی شئے نظر نہ آئی اور کیسے نظر آتی جب کہ ادب کا رشتہ ذہن اور زمین کا رشتہ ہے اور اس رشتہ میں جانے انجانے طریقے سے ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ گھروندوں سے محل بنانے والا انسان دوبارہ غاروں میں جا چھپتا ــــ اور اسی لئے میں نے دیکھا کہ انیس بیس برس کے اس عرصہ میں پاکستانی شاعر اپنی اصل تہذیب، تمدّن اور روایات کے اور زیادہ نزدیک آ گئے ہیں۔ فارسی عربی کے مشکل الفاظ اور اس سرزمین کے لئے ناقابل قبول تشبیہوں اور

استعاروں سے کنارہ کش ہوتے ہوئے وہ نہ صرف آسان زبان اور عام فہم طرزِ بیان اپنا رہے ہیں بلکہ ان کے خیالات میں بھی ہندوستانی روایات اور دیو مالا کا عکس جھلکنے لگا ہے۔ اور یہ تبدیلی یا ارتقاء روز بروز استوار ہوتا جا رہا ہے۔

نظمیں پڑھئے (پاکستان کی)، غزلیں پڑھئے (پاکستان کی)، قطعے، رباعیاں اور متفرق اشعار پڑھئے (پاکستان کے) اور پھر پڑھئے پاکستان کے گیت اور دوہے اور دیکھئے یہ سب کچھ انہوں نے "اسلامی ادب" کے سیاسی نعرے کے تحت تخلیق کیا ہے۔

تہہ میں بھی ہے حال وہی، جو تہہ کے اوپر حال
مچھلی بچ کر جائے کہاں، جب جل ہی سارا جال

یہ دوہا پاکستان کی سرکاری کونسل رائٹرز گلڈ کے سیکرٹری جمیل الدین 'عالی'، کا ہے اور یہ دوہا ہے ایک اور نوجوان شاعر 'صہبا'، اختر کا:۔

انتریامی کے درشن کو انتر گیانی جائے
'صہبا جی'، بن باس سے کوئی رام نہیں بن پائے

اور انہیں دوہوں کو دیکھ کر پاکستان کے ایک نقاد سیّد مظفر علی کو حال ہی میں لکھنا پڑا ہے کہ:۔

"دوہے کا رواج اپنی جگہ ہمارے لئے ایک تنبیہہ کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم عربیت اور فارسیت سے بہت آگے نکل گئے ہیں اور اردو زبان کے دیسی پن کو بھولتے جا رہے ہیں۔ یہ ہم پر واضح کرتا ہے کہ 'میر' اور 'سودا' سے پہلے نانک اور کبیر نے اس زبان کی داغ بیل ڈالی تھی، جسے ہم آج اردو کا نام دیتے ہیں۔"

اس مجموعہ کے شاعروں کی تخلیقات پر کسی خاص تبصرے کی ضرورت نہیں، تخلیقات اپنا تعارف خود کرائیں گی۔

پرکاش پنڈت

فہرست

نظمیں

●

فیض احمد فیض

○

پاکستان بننے پر

اگست ۱۹۴۷ء

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائیگی کہیں نہ کہیں

فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سست خیز کا ساحل
کہیں تو جا کے رُکے گا سفینۂ غمِ دل

جواں لہو کی پُراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیارِ حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہی باہیں، بدن بلاتے رہے

بہت عزیز تھی لیکن رخِ سحر کی لگن
بہت قریب تھا حسینانِ نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دبی دبی تھی تھکن

سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراقِ ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصالِ منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہلِ درد کا دستور
نشاطِ وصل حلال و عذابِ ہجر حرام

جگر کی آگ، نظر کی امنگ، دل کی جلن
کسی پہ چارۂ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگارِ صبا، کدھر کو گئی
ابھی چراغِ سرِ رہ کو کچھ خبر ہی نہیں

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

O

نثار میں تیری گلیوں پہ

(اگست ۱۹۵۵ء ——— جیل میں)

نثار میں تیری گلیوں پہ اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے
ہے اہلِ دل کے لئے اب یہ نظم لبست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں سگ آزاد

بہت ہیں، ظلم کے دستِ بہانہ جو کے لئے
جو چند اہلِ جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں
مگر گذارنے والوں کے دن گذرتے ہیں
تیرے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

بجھا جو روزنِ زنداں تو دِل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر تیرے رُخ پہ بکھر گئی ہوگی
غرض تصّورِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

یونہی ہمیشہ اُلجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ ان کی رسم نئی ہے نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ ان کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

گر آج تجھ سے جدا ہیں تو کل بہم ہونگے
یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اوج پہ ہیں طالع رقیب تو کیا
یہ چار دن کی جدائی تو کوئی بات نہیں

یہ تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

○

درد آئیگا دبے پاؤں

اور کچھ دیر میں جب پھر مرے تنہا دل کو
فکر آئے گی کہ تنہائی کا کیا چارہ کرے
درد آئے گا دبے پاؤں، لئے سرخ چراغ
وہ جو اِک درد دھڑکتا ہے کہیں دل سے پرے
شعلۂ درد جو پہلو میں لپک اُٹھے گا
دل کی دیوار پہ ہر نقش دمک اُٹھے گا
حلقۂ زلف کہیں گوشۂ رخسار کہیں
ہجر کا دشت کہیں گلشنِ دیدار کہیں
لطف کی بات کہیں پیار کا اقرار کہیں
دل سے پھر ہوگی مری بات کہ اے دل اے دل

یہ جو مجبوب بنا ہے تیری تنہائی کا
یہ تو مہماں ہے گھڑی بھر کا چلا جائے گا
اس سے کب تیری مصیبت کا مداوا ہو گا
مشتعل ہو کے ابھی اٹھیں گے وحشی سائے
یہ چلا جائے گا رہ جائیں گے باقی سائے
رات بھر جن سے تیرا خون خرابا ہو گا

جنگ ٹھہری ہے کوئی کھیل نہیں ہے اے دل
دشمنِ جاں ہیں سبھی سارے کے سارے قاتل
یہ کڑی رات بھی، یہ سائے بھی، تنہائی بھی
درد اور جنگ میں کچھ میل نہیں ہے اے دل

لاؤ سلگاؤ کوئی جوشِ غضب کا انگار
طیش کی آتشِ جرار کہیں سے لاؤ
وہ دہکتا ہوا گلزار کہیں سے لاؤ
جس میں گرمی بھی ہے حرکت بھی توانائی بھی
ہو نہ ہو اپنے قبیلے کا بھی کوئی لشکر
منتظر ہو گا اندھیرے کی فصیلوں کے اُدھر
ان کو شعلوں کے رجز اپنا پتہ تو دیں گے
خیر، ہم تک نہ وہ پہنچیں بھی، صدا تو دیں گے
دور کتنی ہے ابھی صبح، بتا تو دیں گے

(جیل میں)

○

شام

اس طرح ہے کہ ہر اک پیڑ کوئی مندر ہے
کوئی اجڑا ہوا بے نور پرانا مندر
ڈھونڈتا ہے جو خرابی کے بہانے کب سے

چاک ہر بام ہر اک در کا دم آخر ہے
آسماں کوئی پروہت ہے جو ہر بام تلے
جسم پر راکھ ملے، ماتھے پہ سیندور ملے
سرنگوں بیٹھا ہے چپ چاپ نہ جانے کب سے

اس طرح ہے کہ پس پردہ کوئی ساحر ہے
جس نے آفاق پہ ڈالا کسی سحر کا دام
دامنِ وقت سے پیوست ہے یوں دامنِ شام

اب کبھی شام بجھے گی نہ اندھیرا ہوگا
اب کبھی رات ڈھلے گی نہ سویرا ہوگا
آسماں آس لئے ہے کہ یہ جادو ٹوٹے
چپ کی زنجیر کٹے، وقت کا دامن چھوٹے
نہ کوئی سنکھ دہائی، کوئی پائل بولے
کوئی بُت جاگے، کوئی سانولی گھونگھٹ کھولے

○

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ دُر
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا
کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا

تم ناحق ٹکڑے چُن چُن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

شاید کہ انہیں ٹکڑوں میں کہیں
وہ ساغرِ دل ہے جس میں کبھی
صد ناز سے اترا کرتی تھی
صہبائے غمِ جاناں کی پری

پھر دنیا والوں نے تم سے
یہ ساغر لے کر پھوڑ دیا
جو مے تھی بہا دی مٹی میں
مہمان کا شہپر توڑ دیا

یہ رنگیں ریزے ہیں شاہد
ان شوخ بلوری سپنوں کے

تم مست جوانی میں جن سے
خلوت کو سجایا کرتے تھے

ناداری دفتر بھوک اور غم
ان سپنوں سے ٹکراتے رہے
بے رحم تھا چومکھ پتھراؤ
یہ آنچ کے ڈھانچے کیا کرتے

یا شائد ان ذرّوں میں کہیں
موتی ہے تمہاری عزّت کا
وہ جس سے تمہاری عجز پہ بھی
شمشاد قدوں نے رشک کیا

اس مال کی دھن میں پھرتے تھے
تاجر بھی بہت رہزن بھی بہت
ہے چور نگریاں مفلس کی
گر جان بچی تو آن گئی

یہ ساغر و شیشہ، لعل و گہر
سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوں تو فقط
چبھتے ہیں لہو رلواتے ہیں

تم ناحق شیشے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو

اس ط
جس

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

یادوں کے گریبانوں کے رفو
پر دل کی گذر کب ہوتی ہے
ایک بخیہ ادھیڑا ایک سیا
یوں عمر بسر کب ہوتی ہے

اس کارگہہ ہستی میں جہاں
یہ ساغر شیشے ڈھلتے ہیں
ہر شے کا بدل مل سکتا ہے
سب دامن پُر ہو سکتے ہیں

جو ہاتھ بڑھے یاور ہے یہاں
جو آنکھ اُٹھے ہے بختاور
یاں دھن دولت کا انت نہیں
ہوں گھات میں ڈاکو لاکھ مگر

کب لوٹ جھپٹ سے ہستی کی
دُوکانیں خالی ہوتی ہیں
یاں پربت پربت ہیرے ہیں
یاں ساگر ساگر موتی ہیں

کچھ لوگ ہیں جو اس دولت پر
پردے لٹکاتے پھرتے ہیں

ہر پربت کو ہر ساگر کو
نیلام چڑھاتے پھرتے ہیں
کچھ وہ بھی ہیں جو لڑ بھڑ کر
یہ پردے نوچ گراتے ہیں
ہستی کے اٹھائی گیروں کی
ہر چال اُلجھائے جاتے ہیں

ان دونوں میں رن پڑتا ہے
نت بستی بستی نگر نگر
ہر بستے گھر کے سینے میں
ہر چلتی راہ کے ماتھے پر
یہ کالک بھرتے پھرتے ہیں
وہ جوت جگاتے رہتے ہیں
یہ آگ لگاتے پھرتے ہیں
وہ آگ بجھاتے رہتے ہیں

سب ساغر، شیشہ لعل و گہر
اس بازی میں بد جاتے ہیں
اٹھو سب خالی ہاتھوں کو
اس رن سے بلاوے آتے ہیں

(جیل میں)

●

احمد ندیم قاسمی

حُسن

آج کس چیز سے بہلے میرا احساسِ جمال
کون چومے یہ خراشوں میں نہائے چہرے
گھاؤ چومے نہیں جاتے ہیں بھر جاتے ہیں
ہائے اس دورِ جراحت کی یہ محبوبائیں
مسکراتی ہیں کہ زخموں کے دہن کھولتی ہیں
وہ بصد نازِ اک انداز سے جب بولتی ہیں
ہڈیاں بجتی ہیں وجدان کے شمشانوں میں
اور افق تا بہ افق گونجتا ہے ایک سوال
آج کس چیز سے بہلے میرا احساسِ جمال

جسم پر خون سے چپکا ہوا پیراہن ہے
جس کو لوگوں نے دیا چُستیٔ ملبوس کا نام
ان کی رفتار میں برسات کے نالے کا خروش
دندنا کر جسے چپ چاپ اُتر جانا ہے
ان کے بازو ہیں کہ چلتی ہوئی تلواریں ہیں
جن کی دھاروں سے ہوا تک بھی نہیں کٹ سکتی

ان کی گردن کا تناؤ ہے کہ فطرت کا اصول
جو لچک جائے تو دنیا میں قیامت آجائے
اور لچکے تو زمانے کو پتہ بھی نہ چلے
ان کا معیارِ حیا ہے کہ سرِ عرصۂ جنگ
اپنے ہی خون میں ڈوبے ہوئے سلطان کی ڈھال
آج کس چیز سے بہلے میرا احساسِ جمال

حسن ہی حسن ہے اب تک میرے فن کی پونجی
رخِ معصوم پہ امڈے ہوئے جذبات کا حسن
جس طرح صبح کو احساسِ طلوعِ خورشید
آنکھوں آنکھوں میں تمناؤں کے اظہار کا حسن
ذہنِ شاعر میں کھلے جیسے نئے شعر کا پھول
لمس کی آگ میں دہکے ہوئے رخسار کا حسن
وہ اٹکتے ہوئے لہجے میں ادھوری باتیں
رنگ میں ڈوبا ہوا جیسے مصوّر کا قلم
اپنی ہر جنبشِ موہوم پہ اتراتا ہے
آج یہ حسن کی تصویر ہے صرف ایک خیال
آج کس چیز سے بہلے میرا احساسِ جمال

حسن تہذیب کی جاں، حسن تمدن کا نقیب
حسن سرمایۂ آسودگیٔ قلب و نظر
حسن ہے کعبۂ فن، حسن ہے انساں کا وقار
حسن مٹ جائے تو اس کارگہِ عالم پر

اک اک لمحہ صدی بن کے مسلط ہو جائے
کتنی صدیوں سے ہیں اس سوچ میں غلطاں ہوں کہ لوگ
حسن کے خول سے کس طرح بہل جاتے ہیں
خود فریبی کی مسرّت پہ یہ جینے والے
کیوں نہیں ڈھونڈتے کھلتے ہوئے ہونٹوں میں نمی
پی چکی ہے جسے اک عمر کے ماحول کی دھوپ
کیوں نہیں دیکھتے آنکھوں میں جوانی کے چراغ
بجھ کے ہر سمت دھواں چھوڑ گئے جن کی لویں
کیوں نہیں سوجھتی چہروں پہ بکھری ہوئی بھوک
اور ابھرتے ہوئے خیرات کے قدموں کے نشاں
ہائے اس دورِ جراحت کی یہ مجبوریاں
میں انہیں دیکھ کے آنکھیں تو بھگو سکتا ہوں
لیکن احساس کی وہ آنچ نہیں پا سکتا
جس سے تپ کر ہی نکھر سکتی ہے رعنائی فن
وہ میری غیرت فن کے لئے مہمیز تو ہیں
حسن کی پیاس مگر اور بڑھا جاتی ہیں
افقِ فن پہ اڑا جاتی ہیں اس فکر کی دھول
کیا یہی ہے میری پاکیزہ نگاہی کا مآل
کیا یہی ہے میری تہذیب کی عالم گیری
کیا یہی ہے میرے بے مثل تمدن کا کمال
آج کس چیز سے بہلے میرا احساسِ جمال

یوسف ظفر

○

الفاظ

انہیں الفاظ میں مدفن ہیں شاہوں کے ضمیر
انہیں الفاظ میں ملفوف ہے مذہب کا خدا
یہی الفاظ لئے بیٹھے ہیں پیمانوں میں
دوش کی مے، مئے امروز، نشاطِ فردا
ایک لفظ اور حکومت کی کڑی زنجیریں
ایک لفظ اور حقارت کے سمندر کا جلال
ایک لفظ اور سکوتِ مہ و انجم ٹوٹے
ایک لفظ اور چھلک جائے شرابِ مہ و سال
میری آنکھوں میں اس اک لفظ کے روشن ہیں چراغ
جو ترے کانوں میں آویزہ بنے گاتا ہوا
تیرے ایوانِ تصور میں مجھے لے جائے
تیرے خوابوں کے حریری پردوں کو سرکاتا ہوا
یہی ایک لفظ تجھ پر عیاں ہو جائے
تیرے ہونٹوں کی حیا بستی "نہیں" "ہاں" ہو جائے

●

قیوم نظر

○

دبے پاؤں

آسماں پر بدلیوں کے قافلوں کے ساتھ ساتھ
پل ہیں آگے، پل میں پیچھے، دائیں بائیں، دونوں ہاتھ
دلربا تاروں کی بجتی گھنٹیاں!

ڈولتی پگ ڈنڈیوں پر نرم پاؤں کا خرام
نقرئی آوازِ پا، گا ہے جھجکتا سا سلام
تھا تو اندیشہ نہیں لیکن یہاں ——

وہ ہوا کے نسبتاً اک تُند جھونکے کا نزول
سرسراہٹ، ہلکا ہلکا شور، کچھ اُڑتی سی دھول
جھنجھنا اُٹھیں سنہری بالیاں!

لہلہاتی آرزوؤں کا جہاں، گندم کا کھیت
وقت کے باڑے ہیں بھیڑیں بکریاں بچوں سمیت
جن کی شادابی جنوں کی داستاں!

اور پھر شیشم کے پیڑوں پر بڑے چھوٹے طیور
اپنے اپنے ساز پر لہرا کے نغموں کا سرور
ڈھل رہے ہیں روشنی میں بے گماں!

●

قتیل شفائی

○

بانجھ

کتنے ہی سال ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے
میری گودی میں کوئی چاند جنم لے نہ سکا
ٹکٹکی باندھ کے افلاک پہ روئی برسوں
آج تک کوئی بھی واپس میرا غم لے نہ سکا

وہ زمیں جو کوئی پودا نہ اُگل سکتی ہو
قاعدہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جاتا ہے
گھر میں ہر روز یہی ذکر، یہی شور سُنا
شاخ سوکھے تو اسے توڑ دیا جاتا ہے

مجھے باہوں میں اُٹھا لے مجھے مایوس نہ کر
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجا لے مجھ کو
اپنے احساں کے صلے میں میرا جوبن لے لے
(کر دیا سب نے مقدر کے حوالے مجھ کو)

ایک، دو، تین ـــ کہاں تک کوئی گنتا جائے
ان گنت سانس مہکتے ہیں میرے سینے پر
میرے لب پر کوئی نغمہ، کوئی فریاد نہیں
لوگ انگشت بدنداں ہیں میرے جینے پر

کتنے ہاتھوں نے ٹٹولا میری تنہائی کو
کوئی جگنو، کوئی موتی، کوئی تارا نہ ملا
کتنے جھونکوں نے جھلایا میرے ارمانوں کو
دل میں سوئی ہوئی ممتا کو سہارا نہ ملا

کل بھی خاموش تھی میں آج بھی خاموش ہوں میں
میرے ماحول میں طوفان نہ آیا کوئی
کتنے ارمان مٹے ایک تمنا کے لئے
گھر لٹانے پہ بھی مہمان نہ آیا کوئی

کتنے ہی سال ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے!

○

کھلونا

اُڑا اُڑا سا رنگ ہے
وہ آ رہی ہے جس طرح کٹی ہوئی پتنگ ہے

نڈھال انگ انگ ہے

عجیب رنگ ڈھنگ ہے

ایاغ ہے، نہ باغ ہے، رباب ہے، نہ چنگ ہے

ندامتوں میں جنگ ہے

بجھی بجھی امنگ ہے

یہ راستہ طویل ہے، وہ رہ گذار تنگ ہے

ان الجھنوں پہ دنگ ہے

کدھر مڑے ....؟

کہاں چلے ....؟

●

مختار صدیقی

○

رسوائی

ٹیکہ لگاؤں مانگ بھی صندل سے بھر چکوں
دلہن بنوں تو چاہیئے جوڑا سہاگ کا
مہندی رچیگی پوروں کہیں جا کے دیر میں
کنگھی کروں تو چڑھتی ہے کالوں کی اور لہر
افشاں ہے بخت بھی کہ رہا ان کے پھیر میں
کتنی ہے سانجھ! بھور کے اب گھاٹ اتر چکوں
تم بیٹھو ہیں تو آئی پہ جی سے گذر چکوں

اتنے دنوں تو دل کی لگی نے خدائی کی
پائل بجے تو بنسی کی دُھن ناچ ناچ اٹھے
بدنامیاں کرشمے میرے دیوتا کے ہیں
دیدے گھما گھما کے کہیں کیوں نہ گوپیاں
ان کے چلن تو بگڑے ہوئے ابتدا کے ہیں
بنتا نہ ہوگی کلی سے لگائی بجھائی کی
دیکھے شفق، تو دیکھے چتا جگ ہنسائی کی

چیخیں سن سن کے سبھی نیند کے ماتے جاگے

سامنے دہکی ہوئی آگ کا اک پیکر دیکھا
چل کے دو چار قدم پھر سے پلٹ کر جولاں
چیخیں شعلوں کے دہکتے پہ لپک اٹھتی تھیں
درد کے ہلکے رواں سوئے فلک چرخ زناں
سب یہ سمجھے کہ کوئی غول بیابانی ہے
یونہی لوکا جو لگانے کو نکل آیا یہاں
باد پا آگ تھی یا لال رسیلی ساڑھی
چھایا کالوں کی تھی شعلوں کی زبانوں کا دھواں

یک بیک کندنی باہیں بھی اٹھیں چیخ کے ساتھ
کانپتے آئے نظر پھول سے مہندی بھرے ہاتھ

ایک نے بڑھ کے وہیں آگ پہ ڈالا پانی
آگ یوں پانی کی شہہ پائے تو دوزخ نہ بنے
جلتے جی اشکوں سے کیا جی کی لگی بجھنی تھی
آگ پانی کی لڑائی تو جیتا پر بھی ٹھنے
خاک ڈالی تو ہوئی پھر کہیں مدھم آنچ
بخت رسوا ہو تو رسوائی بنا کیسے منے

پوچھو جلنے کی تو جانے وہی جس تن لاگے
چیخیں سن سن کے سبھی نیند کے ماتے جاگے

●

ظہیر کاشمیری

نرتکی

جھنن جھنن گھنگھرو جھنکارے
چونک اُٹھے خلخال، ستارے

تان اڑی ہستی مُسکائی
چوٹی، ناگن سی لہرائی

کوند گئے آنکھوں کے اشارے
جاگ اُٹھے کاجل کے دھارے

خود ہنس کر پلو ڈھلکایا
لچکی اور کنگن کھنکایا

بہکی سی اِک تان اڑا کر
سانجھ ذرا ہولے جھنکا کر

ایڑی کے بل پر لہرائی
داد ملی —— گردن نیوڑائی

پھر دونوں کولہے مٹکا کر
محفل پر آنکھیں بکھرا کر

سیندھوری آنچل پھیلایا
چھم چھم، چھم چھم، تال بتایا

شوخی کی ٹھوکر سی کھائی
گرتے گرتے لی انگڑائی
اُٹھی، جھومی، سمٹی، چھائی
بجلی سی تیزی دکھلائی

آخر یکدم چھم چھم کر کے
بھاگ گئی پردے کے پیچھے

●

شاہدہ

کِسی سنولائی ہوئی شام کی تنہائی میں
دو سرکتے ہوئے سایوں میں ہوئی سرگوشی
بات چھوٹی تھی مگر پھیل کے افسانہ بنی
میں نے اکثر یہی سوچا تیرا ہموار بدن
نقرۂ ناب کا ترشا ہوا ٹکڑا ہوگا
دودھیا، سرد حرارت سے تہی
جس پہ طاری ہو خود اپنے ہی تصوّر کا جمود
کوئی اعجازِ پرستش جسے چونکا نہ سکے
تو مگر پھول کی پتی سے سبک تر نکلی
اوس کے لمس سے جو آپ ہی جھک جاتی ہو
ایک ہلورا بھی جسے چوٹ لگا سکتا ہو
تو مگر ــــــ خوابِ محبت تھی، فرشتوں نے جسے

بیٹھ کر چاند ستاروں میں بُنا صدیوں تک
اپنے بلور کے ایوان سجانے کے لئے
دمِ گفتار —— تیرے ہونٹوں سے رِستی ہوئی بات
جیسے یاقوت کی سِل چیر کے جھرنا پھوٹے
اور گیتوں کے بہاؤ میں مخاطب کو لئے
چھوڑ آئے کسی رومان بھری وادی میں
تیری شب تاب جوانی کی ضیا نے اکثر
ہالۂ نور میرے گرد کیا ہے تعمیر
اور میں حجلۂ تنویر میں پہروں بیٹھا
ترے مانوس تنفس کی صدا سنتا رہا
ابھی کچھ اور بھی راتیں ہیں پسِ پردۂ غیب
ابھی کچھ اور بھی نغمے ہیں پسِ پردۂ ساز
کئی راتوں، کئی نغموں سے گذرنا ہوگا
دیکھ! وہ چاند کی چوٹی کا چمکتا مینار
اسی مینار میں دونوں کو پہنچنا ہوگا

●

حامد عزیز مدنی

○

انتظار

خواب ہی خواب کہاں تک جھلکیں
خستگی رات کی اٹھتا ہوا درد
آہنی نیند سے بوجھل پلکیں
اوس کھڑکی کے خنک شیشے پر
برص کے داغ کی صورت تارے
طنز اک رات کے آئینے پر
نیند آنکھوں کی بکھر جاتی ہے
سرد جھونکوں میں وہ آہٹ ہے ابھی
جنبشِ دل میں ٹھہر جاتی ہے
رات کٹتی نہیں کٹ جائے گی
اور تیرے خواب کی دنیا اے دوست
وقت کی دھول میں اٹ جائے گی

●

ابن انشا

○

۲۸

جیون کے دکھ درد کا درماں ہوگا تو کس دن ہوگا
'انشا جی' دو ایک برس میں تیس ہمارا سن ہوگا
الہڑ پن کی روک لگا کر روکیں گے، لیکن ہوگا

قریوں میں پروان چڑھے ہم، شہروں میں آباد رہے
قامت، چہرہ وہ وہ دیکھا کبھی نہ بھولے یاد رہے
کتنوں کے ہمدوش پڑھے ہم، کتنوں کے استاد رہے

جس صورت کے پیچھے بھاگے ہاتھ نہ آئی خواب بنی
یا ساگر کی تہہ کا موتی یا بنتِ مہتاب بنی
ہاں نظموں کی کھیپ سے اچھی خاصی ایک کتاب بنی

نہ اپنی تقدیر سنواری نہ لوگوں کے کام آئے
پھر بھی ہم پر ایک جہاں کے آتے تھے الزام آئے
اب تک دیوانوں میں سب سے اوپر اپنا نام آئے

اپنے بیگانوں سے ڈرتے گونگی بہری بات کہیں
داغِ جگر کو لالۂ رنگیں اشکوں کو برسات کہیں
سورج کو سورج نہ پکاریں دن کو اجلی رات کہیں

ناحق کو ہم دل کی باتیں لب پر لا کر خوار کریں
دل کے داغ شمار کریں ہم، روز کریں سو بار کریں
ہم ہیں کون گنوں کے مالک لوگ جو ہم سے پیار کریں

بیتا کل تو جیسا بیتا، اس کا ذکر اکارت ہے
آنے والے کل کے پیچھے، آج کا دن بھی غارت ہے
جھوٹی فکریں، سچی فکریں، اونچی ایک عمارت ہے

جیون کے دکھ درد کا درماں ہوگا تو کس دن ہوگا
'انشا جی' دو ایک برس میں تیس ہمارا سن ہوگا
الہڑ پن کی روک لگا کر روکیں گے، لیکن ہوگا

●

احمد سراہی

غمگساری

دوست مایوس نہ ہو
سلسلے بنتے بگڑتے ہی رہے ہیں اکثر

تیری پلکوں پہ سر اشکوں کے ستارے کیسے
تجھ کو غم ہے تیری محبوب تجھے مل نہ سکی
اور جو زیست تراشی تھی تیرے خوابوں نے
آج وہ ٹھوس حقائق میں کہیں ٹوٹ گئی

تجھ کو معلوم ہے میں نے بھی محبت کی تھی
اور انجام محبت بھی ہے معلوم تجھے
ان گنت لوگ زمانے میں رہے ہیں ناکام
تیری ناکامی نئی بات نہیں دوست میرے

کس نے پائی ہے بھلا زیست کی تلخی سے نجات
چارہ ناچار یہ زہراب سبھی پیتے ہیں

جاں سپاری کے فریبندہ فسانوں پہ نہ جا
کون مرتا ہے محبّت میں سبھی جیتے ہیں

وقت ہر زخم کو، ہر غم کو مٹا دیتا ہے
وقت کے ساتھ یہ صدمہ بھی گذر جائیگا
اور یہ باتیں جو دہرائی ہیں میں نے اس وقت
تو بھی اِک روز انہیں باتوں کو دہرائے گا

دوست مایوس نہ ہو

●

حمایت علی شاعر

○

تکمیل

بال آوارہ ہوا کے مانند
شعلۂ جسم ہے شبنم کی طرح
آ مٹا دیں یہ تفاوت، یہ جمود
آ کہ ہو پھر کسی عیسےٰ کا ورود
تو بھی مظلوم ہے مریم کی طرح
میں بھی تنہا ہوں، خدا کے مانند

●

جواب

سورج نے جاتے جاتے بڑی تمکنت کے ساتھ
ظلمت میں ڈوبی ہوئی دنیا پہ کی نظر
کہنے لگا کہ کون ہے اب اس کا پاسباں
میرے سوا ہے کون زمانے کا راہبر
میں تھا تو اپنی راہ پہ تھی گامزن حیات

اب میں نہیں رہونگا تو یہ ساری کائنات
ظلمات میں بھٹکتی پھرے گی تمام رات
سُورج یہ کہہ کے جا ہی رہا تھا کہ اِک دِیا
چپکے سے جل اٹھا اور اسے دیکھنے لگا

نور بجنوری

○

پاکدامن

رات نے کھول دئے اپنے ملائم گیسو
میرے سرتاج یہ ماتھے پہ شکن کیسی ہے
سیج کی گود میں ہنستے ہوئے پھولوں کی قسم
آج ہر بات میں کانٹوں کی چبھن کیسی ہے

آئیے بربطِ ناہید پہ اِک دُھن چھیڑیں
دیکھئے پھر میں کوئی گیت نہیں گاؤں گی
ٹھہرئیے چاند کی کرنوں سے حسیں خواب بنیں
جائیے میں بھی کبھی پاس نہیں آؤں گی

وہی بیتی ہوئی باتیں، وہی جھوٹے قصّے
ایک سودائی کے بہکے ہوئے افسانے چند
ایک شاعر کی غلط گوئی کے رنگیں طومار
ایک مفلس کے بسائے ہوئے ویرانے چند

میں نے چھپ چھپ کے دریچوں سے کسے جھانکا ہے
میں نے کب اشک بہائے ہیں بتائے کوئی
میں نے خط لکھے ہیں، ہیں اس سے ملی ہوں افسوس
کیسے ان یاس بھرے شعلوں کو بجھائے کوئی

آپ کے سر کی قسم، آپ کے قدموں کی قسم
میری پازیب کی گاتی ہوئی جھنکار ہیں آپ
میرے ہاتھوں کی حنا میری کلائی کی کھنک
رنگِ تخیل ہیں رعنائی افکار ہیں آپ

چھوڑیئے! اب میں کبھی پاس نہیں آؤں گی
آپ کے سر کی قسم، آج میں مر جاؤں گی

احمد ریاض

چھٹا دریا

میرے پنجاب کے بلوری جواں سینے پر
پانچ شفاف و چمکدار لکیریں تھیں رواں
کھینچ دی کس نے یہ اک اور لہو رنگ لکیر
پانچ شفاف و چمکدار لکیروں کے میاں

کس نے پھولوں سے کہا تم نہ بہاروں سے ملو
کس نے کلیوں سے تبسّم کا چلن چھین لیا
کس کی بے رحم سیاست نے اُٹھا کر خنجر
پانچ دریاؤں کی دھرتی کا جگر چیر دیا

کتنی حسرت سے حسیں کھیت کھڑے تکتے ہیں
کتنے دہقانوں کا ایثار چھپا تھا ان میں
ہیر کے بول مہینوال کے گیتوں کی قسم
کتنے رانجھوں کا حسیں پیار چھپا تھا ان میں

کتنے دیپک تھے جو بے نور گھروندوں میں جلے
کتنے ذرّے تھے جو تاروں سے ہم آغوش ہوئے
کتنے اذہانوں نے ترتیب دیا گلشنِ خلد
کتنے گل تھے جو شراروں سے ہم آغوش ہوئے

پر یہ جنّت یہ محل اور یہ نشانِ منزل
اپنی اس جہدِ مسلسل کا تقاضا تو نہیں
اُف یہ زنجیرِ چراغاں یہ جنازوں کا جلوس
اپنی صدیوں کی غلامی کا مداوا تو نہیں

جمیل ملک

مجرم

یہ کائنات اگر تیرے بس کا روگ نہیں
تو کائنات بنائی تھی کس لئے تو نے
اسے بسا کے اگر یوں اُجاڑ دینا تھا
تو انجمن یہ سجائی تھی کس لئے تو نے

یہ آدمی کے گنہہ کی سزا سہی لیکن
اسے گناہ کا احساس کیوں دیا تو نے
بنا کے برتر و اعلےٰ تمام چیزوں سے
بشر کو مائلِ بیکا کیوں کیا تو نے

خطا معاف بشر کا کوئی قصور نہیں
تیرے عتاب نے ناحق بشر کو گھیرا ہے
ثبوتِ جرم نہیں ہے تو پھر سزا کیسی
گناہ تو نے کیا ہے قصور تیرا ہے

شور علیگ

○

ملاح

یہ گاتے زلزلے، یہ ناچتے طوفان کے دھارے
ہوا کی نیتّوں سے بے خبر ملّاح بیچارے
وہ طوفانوں کے ہل چلنے لگے سیّال کھیتی میں
وہ کشتی آکے ڈوبی گوہریں قطروں کی ریتی میں
وہ ٹوٹی موج کی شفاف دیواریں سفینوں پر
وہ پھر مہریں ابھر آئیں ارادوں کی جبینوں پر
وہ ٹکرانے لگی آواز نیلے آسمانوں سے
وہ خطِ رہگذر پر جل اُٹھیں شمعیں ترانوں سے
ہوائیں تھم نہیں سکتیں، تلاطم رُک نہیں سکتے
مگر موج و ہوا کے سامنے سر جھک نہیں سکتے
سفینے ہیں کہ طوفاں کے، تھپیڑے کھائے جاتے ہیں
مگر ملاح گیت اپنے برابر گائے جاتے ہیں
ہیں کتنے غم کہ جن کی مے سرور انگیز ہوتی ہے
ہیں کتنے گیت جن کی لَو ہوا سے تیز ہوتی ہے
کھنچا ہو جن کا خطِ رہ گذر طوفاں کے دھاروں پر
بڑی مشکل سے ان کو نیند آتی ہے کناروں پر

صہبا اختر

پاتال

کتنی راتیں آج اکٹھی ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑیں
خوابوں کے الحمرا جن کی تاریکی میں ڈوب چلے
شعر، کتابیں، تصویریں سب تیز ہوا کے ساتھ ہوئیں
میرے صنم خانے سے اٹھ کر میرے سب محبوب چلے

'میگھ' قبیلے کی وہ لڑکی زین کی جو تصویر بنی
وہ پرمیلا جس نے نذرل کے گیتوں کو چنگ دئے
یا وہ ہیر جس نے وارث سے لکھوائی ہیر نئی
یا وہ مغل شہزادی جس نے چغتائی کو رنگ دئے

کب ایسے پاتال میری آنکھوں نے پہلے دیکھے تھے
میں تو اب تک صرف اجالوں کی شبنم سے کھیلا ہوں
مجھ سے میرے فن کی جوالا چھین نہ لے یہ تاریکی
کوئی آئے، کوئی بچائے، رات ہے اور اکیلا ہوں

طلعت اشارت

○

صحیفہ

بھول جانا تو گئے دور کا دشوار نہ تھا
ایک نادیدہ خلش آتی رہی سمجھانے
ریگِ ماضی سے جھلستا رہا دل کا گلشن
پھول کھلتے رہے ویرانے رہے ویرانے

خندۂ زیرلبی ہے غمِ پنہاں جیسے
گرمیٔ شدتِ احساس سے جل جائے کوئی
اور اپنے ہی بنائے ہوئے معبود کے ہاتھ
اپنی ناکردہ گناہی کی سزا پائے کوئی

یہ خیال آتا ہے اب مجھ کو ترے نام کے ساتھ
چند حرفوں کا یہ مجموعہ صحیفہ تو نہیں

●

آزاد نظمیں

●

احمد ندیم قاسمی

فن

ایک رقاصہ تھی — کس کس سے اشارے کرتی
آنکھ پتھرائی، اداؤں میں توازن نہ رہا
ڈگمگائی تو سب اطراف سے آواز آئی ——
"فن کے اس اوج پہ اک تیرے سوا کون گیا؟"
فرشِ مرمر پہ گری، گر کے اُٹھی، اٹھ کے جھکی
خشک ہونٹوں پہ زباں پھیر کے پانی مانگا
اوک اٹھائی تو تماشائی سنبھل کر بولے
"رقص کا یہ بھی اِک انداز ہے —— اللہ اللہ!"
ہاتھ پھیلے رہے سِل سی گئی ہونٹوں سے زباں
ایک رقاص کسی سمت سے ناگاہ بڑھا
پردہ سرکا تو معاً فن کے پجاری گرجے
"رقص کیوں ختم ہوا؟ وقت ابھی باقی تھا!"

وقت

سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
چاند بلور کی چوڑی کی طرح اٹکا ہے
دامنِ کوہ کی ایک بستی میں
ٹمٹماتے ہیں مزاروں پہ چراغ
آسماں سرمئی غل میں ستارے ٹانکے
سمٹا جاتا ہے ——— جھکا جاتا ہے
وقت بیدار نظر آتا ہے!
سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
صبح کی نقرئی تنویر رچی جاتی ہے
دامنِ کوہ میں بکھرے ہوئے کھیت
لہلہاتے ہیں تو دھرتی کے تنفس کی صدا آتی ہے
آسماں کتنی بلندی پہ ہے اور کتنا عظیم
نئے سورج کی شعاعوں کا مصفا آنگن
وقت بیدار نظر آتا ہے!
سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
آفتاب ایک الاؤ کی طرح روشن ہے
دامنِ کوہ میں چلتے ہوئے ہل
سینۂ دہر پہ انسان کی جبروت کی تاریخ رقم کرتے ہیں

آسمان تیز شعاعوں سے ہے اس درجہ گداز
جیسے چھونے سے پگھل جائے گا
وقت تیار نظر آتا ہے
سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
زندگی کتنے حقائق کو جنم دیتی ہے
دامنِ کوہ میں پھیلے ہوئے میدانوں پر
ذوقِ تخلیق نے اعجاز دکھائے ہیں لہو اگلا ہے
آسماں گردشِ ایام کے ریلے سے ہراساں تو نہیں
خیر مقدم کے بھی انداز ہوا کرتے ہیں
وقت کی راہ پہ موڑ آتے ہیں، منزل تو نہیں آسکتی

●

ن۔ م۔ راشد

پہلی کرن

کوئی مجھ کو دورِ زمان و مکاں سے نکلنے کی صورت بتا دو
کوئی یہ سجھا دو کہ حاصل ہے کیا ہستیٔ رائیگاں سے
کہ غیروں کی تہذیب کی استواری کی خاطر
عبث بن رہا ہے ہمارا لہو مومیائی
میں اس قوم کا فرد ہوں جس کے حصے میں محنت ہی محنت ہے
نانِ شبینہ نہیں ہے
اور اس پر بھی یہ قوم دلشاد ہے شوکتِ باستاں سے
اور اب بھی ہے امیدِ فردا کسی ساحرِ بے نشاں سے
میری جاں، شب و روز کی اس مشقت سے تنگ آگیا ہوں
میں اس خشت کوبی سے اکتا گیا ہوں
وہاں وہ دنیا کی تزئین کی آرزوئیں
جنھوں نے تجھے مجھ سے وابستہ تر کر دیا تھا
تیری چھاتیوں کا جوئے شیر کیوں زہر کا اک سمندر نہ بن جائے
جسے پی کے سو جائے ننھی سی یہ جاں
جو اک چھپکلی بن کے چمٹی ہوئی ہے تیرے سینۂ مہرباں سے
جو واقف نہیں تیرے دردِ نہاں سے

اسے بھی تو ذلت کی پائندگی کے لئے آلۂ کار بننا پڑے گا
بہت ہے کہ ہم اپنے آبا کی آسودہ کوشی کی پاداشں میں
آج بے دست و پا ہیں
اس آئندہ نسلوں کی زنجیر پا کو تو ہم توڑ ڈالیں
مگر اے میری تیرہ راتوں کی ساتھی!
یہ شہنائیاں سن رہی ہو؟
نہیں۔ اس دریچے کے باہر تو جھانکو
خدا کا جنازہ لئے جا رہے ہیں فرشتے
اسی ساحر بے نشاں کا
جو مغرب کا آقا ہے مشرق کا آقا نہیں ہے!
یہ انسان کی برتری کے لئے اک نئے دور کے شادیانے ہیں
سن لو
یہی ہے نئے دور کا پرتوِ اولیں بھی
اٹھو، اور ہم بھی زمانہ کی ولادت کے اس جشن میں
مل کے دھومیں مچائیں
شعاعوں کے طوفان میں بے محابہ نہائیں

●

ڈاکٹر تاثیر

○

رس بھرے ہونٹ

رس بھرے ہونٹ
پھول سے ہلکے
جیسے بلور کی صراحی ہیں
بادۂ آتشیں نفس چھلکے
جیسے نرگس کی گول آنکھوں سے
ایک شبنم کا ارغواں قطرہ
شفقِ سرخ سے درخشندہ
دھیرے دھیرے سنبھل سنبھل ڈھلکے!

رس بھرے ہونٹ یوں لرزتے ہیں ——
یوں لرزتے ہیں جس طرح کوئی
رات بھر کا تھکا ہوا راہی
پاؤں پھسلنی، نگاہ متزلزل
وقت صحرائے بیکراں کہ جہاں
سنگِ منزل نما نہ آج نہ کل
دفعتاً دور —— دور آنکھ سے دور

شفقِ شام کی سیاہی میں
قلب کی آرزو نگاہی میں
فرش سے عرش تک جھلک اٹھے
ایک دھوکا سراب ــــ منبعِ نور
رس بھرے ہونٹ دیکھ کر تاثیر
رات دن کے تھکے ہوئے راہی
یوں ترستے ہیں یوں لرزتے ہیں

فیض احمد فیض

○

کوئی عاشق کسی محبوبہ سے

یاد کی راہگذر جس پہ اسی صورت سے
مدتیں بیت گئی ہیں تمہیں چلتے چلتے
ختم ہو جائے جو دو چار قدم اور چلو
موڑ پڑتا ہے جہاں دشت فراموشی کا
جس سے آگے نہ کوئی میں ہوں نہ کوئی تم ہو
سانس تھامے ہیں نگاہیں کہ نہ جانے کس دم
تم پلٹ آؤ، گذر جاؤ یا مڑ کر دیکھو
گرچہ واقف ہیں نگاہیں کہ یہ سب دھوکا ہے
گر کہیں تم سے ہم آغوش ہوئی پھر سے نظر
پھوٹ نکلے گی وہاں اور کوئی راہگذر
پھر اسی طرح جہاں ہوگا مقابل پیہم
سایۂ زلف کا اور جنبشِ بازو کا سفر
دوسری بات بھی جھوٹی ہے کہ دِل جانتا ہے
یاں کوئی موڑ، کوئی دشت، کوئی گھات نہیں
جس کے پردے میں میرا ماہِ رواں ڈوب سکے
تم سے چلتی رہے یہ راہ، یونہی اچھا ہے
تم نے مُڑ کر بھی نہ دیکھا تو کوئی بات نہیں

تصدق حسین خالد

○

ایک کتبہ

شیر دل خاں !
میں نے دیکھے تیس سال
پے بہ پے فاقے مسلسل ذلتیں
جنگ
روٹی
سامراجی بیڑیوں کو وسعتیں دینے کا فرض
سو رہا ہوں اس گڑھے کی گود میں
آفتاب مصر کے سائے تلے
میں کنوارا ہی رہا
کاش میرا باپ بھی
اُف کنوارا
کیا کہوں ——

●

مجید امجد

○

ایک کوہستانی سفر کے دوران میں

تنگ پگڈنڈی ـــــ سرِ کہسار بل کھاتی ہوئی
نیچے دونوں سمت گہرے غار منھ کھولے ہوئے
آگے ڈھلوانوں کے پار اک تیز موڑ ـــــ اور اس جگہ
اِک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے
جھک پڑا ہے آ کے رستے پر کوئی نخل بلند
تھام کر جس کو گزر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ
موڑ پر سے ڈگمگاتے رہروؤں کے قافلے
ایک بوسیدہ خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں
آہ ! ان گردن فرازانِ جہاں کی زندگی
اِک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنھیں حاصل نہیں

●

قتیل شفائی

○

معصوم

امی — پیاری پیاری امی،
یہ تو مجھے بتلا دو نا
تم میری کیا لگتی ہو ؟
پُوچھتے ہیں میرے ہمجولی
جب میں ان سے کھیلتا ہُوں
" تیرے باپ کا نام ہے کیا ؟"
میں کہتا ہوں امی سے پوچھ کے کل بتلاؤنگا !

لیکن پیاری امی، مجھ کو اتنا بھی معلوم نہیں
تم میری کیا لگتی ہو ؟

ماں ہوتیں تو تنہا چھوڑ کے لمبی لمبی راتوں میں
دیر دیر تک مجھ سے دُور نہ رہ سکتیں
پھر تم میری کیا ہو امی ؟
اتنا تو سمجھا دو نا —
باپ کا نام تو پھر مجھ کو بتلا دینا —

تم میری کیا لگتی ہو ؟
یہ تو بتلا دو نا
پیاری امی،
بے حس امی !

●

لغزش

جسم کی نو رس کلی میں !
ایک احساسِ جمال ——
جیسے ٹھنڈک چھاؤں کی !

دل کی نازک دھڑکنوں میں
ایک نادیدہ خیال ——
جیسے آہٹ پاؤں کی !
رات کی تاریکیوں میں
ضو فگن شمعِ وصال
جیسے کھل کر پو پھٹے

اور پھر تنہائیوں میں
خود فریبی کا ملال
زندگی کیسے کٹے ؟

بھروسہ

ایک پتنگا
تنہا تنہا
شام ڈھلے اس فکر میں تھا
یہ تنہائی کیسے کٹے گی ؟

رات ہوئی
اور شمع جلی
مغموم پتنگا جھوم اُٹھا
ہنستے ہنستے رات کٹے گی

صبح ہوئی
اور سب نے دیکھا
راکھ پتنگے کی اڑ اڑ کر
شمع کو ہر سو ڈھونڈ رہی تھی !

●

اعجاز بٹالوی

○

مسافر

زمانے کی گردش کہاں کھینچ لائی
نہ صحرا، نہ گلشن، فقط یہ چٹانیں
محبّت کی ناکامیوں کی زبانیں
اور ان سنگ زاروں کے آنسو یہ چشمے
کسی کوہکن کی تمنّا کی بے حاصلی پر بہے جا رہے ہیں
بہت دور بادل کی جھالر سجائے
وہ چاند اپنے تاروں کے محمل جمائے
کہ جیسے ستاروں کی الفت میں کھو کر
زمیں کی اسے کوئی پروا نہیں ہے
خلاؤں کے سینے پہ بہتی ہوائیں
نہ کوئی سندیسہ نہ پیغام لائیں
یہ سنگین خاموشیاں پربتوں کی
اور ان اجنبی وادیوں کا مسافر
میرا دل —— تمہاری محبت کا عادی

●

منیر نیازی

بے وفائی

رنگ کی سبل کو اٹھا کر
دور تک جانا بہت دشوار ہے
ہر در و دیوار سے مل کر جدا ہوتی ہوا سے
دیر تک نظریں ملانا بھی بہت دشوار ہے
آنکھ کے آنسو کو
ہیرے کی طرح دل میں چھپانا بھی بہت دشوار ہے

دوریوں پر بیٹھ کر ہنستی ہیں سکھ کی دلہنیں
شرم کے فانوس سے جلتے ہیں شہروں کے مکاں
جذبۂ شب کی کلیدِ احمریں
کھولتی ہے عشرتوں کے سبیل کا قفلِ گراں
رینگتے چلتے ہیں دشتِ شوق میں
حسن کے جادو میں ڈوبے محملوں کے کارواں

لاکھ کوئی دوریوں پر بیٹھ کر روتا رہے
رنگ کی سبل کو اُٹھا کر
دور تک جانا بہت دشوار ہے

وزیر آغا

○

جنگل

کبڑے پیڑوں کے جنگل میں
پتوں کی کالی دیواریں
دیواروں میں لاکھوں روزن
روزن —— آنکھیں ہیں جنگل کی !
وحشی آنکھیں ہیں جنگل کی !!

تو راہی انجان مسافر
جنگل کا آغاز نہ آخر
سب رستے ناپید ہیں اس کے
سب راہیں مسدود سراسر
تو راہی —— تہذیب کا پیکر
ہار چکا جنگل سے لڑ کر
اب آنسو کا دِیا جلائے
تو گم کردہ راہ مسافر
ایسی پاگل نظروں سے کیوں
اوجِ فلک کی پیشانی پر

جھلمل کرتے اس جھومر کو
گھور رہا ہے

●

ڈولتی ساعت

سانولی سی اک شام
اور اکھ رنگوں کی برکھا میں بھیگا ہوا کوئی لمحہ
انگوٹھی کے پاتال میں اک نگینے کے مانند ہنستی ہوئی کوئی ساعت
چمکتا ہوا وہ سماں جب کسی ڈولتے پل کو جھولا بنا کر
لجا کر،
عجب میٹھی نظروں سے میری طرف تو نے دیکھا
ہر اک سمت سے بے خبر، لفظ و معنی کے رشتے سے ناآشنا
کوئی اندھا، لرزتا ہوا ایک جملہ ترے کپکپاتے ہوئے نرم ہونٹوں پہ آیا
تو اک جگمگاتے ہوئے پل میں ڈھل کر
مرے ذہن کی تیرگی میں اُجالے کا روشن ستوں بن گیا

مگر تو نے یہ بھی تو دیکھا
اِدھر شام کی آگ ٹھنڈی پڑی اور اُدھر
کہنہ بیساکھیوں کے سہارے، اپاہج سی اک بڑھیا
بے دانت کے پوپلے منھ سے سیٹی بجاتی ہوئی سامنے آ کے رُک سی گئی
اور پھر رات بن کر

تجھے ڈس گئی!
پھر مجھے ڈس گئی!

وہ لمحہ کہ جس کے لئے ہم نے لمبی مسافت کا ہر دُکھ اُٹھایا
فقط ایک پُل تھا
پہاڑوں پہ بل کھاتی وحشی ندی پر
درختوں سے لٹکا ہوا
کچّے رسوں کا اِک پُل!!

●

شاد امرتسری

ادھیڑ عمر

کسی کا بھائی کسی کا شوہر کسی کا پیارا
وہ کون ہے
اتنی دور رہ کر بھی میری خوشیوں، مرے غموں میں
شریک سا ہے
وہ کون ہے جس کے منتروں نے
گئے دنوں کے دمکتے لمحوں
کو میرے گوٹے لگے دوپٹے
مری حنا بستہ انگلیوں سے
جدا کیا ہے
کبھی وہ میرے بھی روبرو ہو تو اس سے پوچھوں
تو کس کا بھائی ہے کس کا شوہر ہے کس کا پیارا؟

●

ساقی فاروقی

○

ادھر بھی دیکھو
قطار اندر قطار پٹ سن کے نرم پودے
جو اپنے ساتھی
ہزاروں پودوں سے کہہ رہے ہیں
ہم اتنی جلدی جواں ہوئے ہیں
کہ سبز پانی
جو پہلے پیتے پہ بہہ رہا تھا
ہمارے ٹخنوں تک آ گیا ہے

●

سید محمد جعفری

ابسٹریکٹ آرٹ

ابسٹریکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
کی تھی، از راہِ محبت بھی ستائش میں نے
آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا ؟ تو شرماتا ہوں
صرف یہ کہہ سکتا ہوں اتنا ہی وہ تصویریں تھیں
یار کی زلف کو سلجھانے کی تدبیریں تھیں

ایک تصویر کو دیکھا جو کمالِ فن تھی
بھینس کے جسم پر ایک اونٹ کی سی گردن تھی
ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں
ٹانگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں
نقشِ محبوب مصور نے سجا رکھا تھا
مجھ سے پوچھو تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

یہ سمجھنے کو کہ یہ آرٹ کی کیا منزل ہے
ایک نقّاد نے پوچھا، جو بڑا قابل ہے
سبزۂ خط میں وہ کہنے لگا رعنائی ہے
میں یہی سمجھا کہ ناقص میری بینائی ہے
بولی تصویر جو میں نے اسے اُلٹا پلٹا
"میں وہ جام ہوں کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا"
اس کو نقّاد تو اک چشمۂ حیواں سمجھا
میں اسے حضرت مجنوں کا گریباں سمجھا
دیر تک بحث رہی مجھ میں اور اس میں جاری
تب یہ ثابت ہوا ہوتی ہے یہ اک بیماری

ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے
ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے
ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پہ سورج کی کرن
بولا نقّاد، جو یہ آرٹ ہے، تجریدی ہے
آرٹ کا آرٹ ہے تنقید کی تنقیدی ہے

وہ خد و خال کہ ثانی نہیں جن کا کوئی آج
بات یہ بھی ہے کہ ملتا نہیں رنگوں کا مزاج

اس کو کیو بزم کا آزار کہا کرتے ہیں
اس کے خالق جو ہیں، بیمار رہا کرتے ہیں

ایک تصویر جو دیکھی تو یہ صورت نکلی
جس کو سمجھا تھا اننّاس وہ عورت نکلی
ابسٹریکٹ آرٹ کی اس چیز پہ دیکھی ہے اساس
'تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا کا لباس'
اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے
ڈر کے ماؤں کے کلیجے سے لپٹ جاتے تھے

ابسٹریکٹ آرٹ کا اِک یہ بھی نمونہ دیکھا
فریم کا غذ پہ تھا کاغذ جو تھا سونا دیکھا
وہ ہمیں کیسے نظر آئے جو مقسوم نہیں
'لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں معلوم نہیں'
ڈر سے نقادوں کے اس آرٹ کو یوں کہتے ہیں ہم
'شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم'

الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف
آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف
میں نے یہ کام کیا سخت سزا پانے کا
یہ نمائش نہ تھی اِک خواب تھا دیوانے کا

کیسی تصویر بنائی تیرے بہکانے کو
اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو

●

غزلیں

●

حفیظ جالندھری

○

جان قرباں کیوں نہ ہو جائے
کفر ایمان کیوں نہ ہو جائے
ناخدا ہے بجائے خود خطرہ
قطرہ طوفان کیوں نہ ہو جائے
غیر سے ساز باز کر لیجے
یہ بھی احسان کیوں نہ ہو جائے
کیا کمی رہ گئی ہے اے شیطاں
تو بھی انسان کیوں نہ ہو جائے

●

ہائے کس درد سے کی ضبط کی تلقین مجھے
ہنس پڑے دوست جو میں نے کبھی رونا چاہا
آنے والے کسی طوفان کا رونا رو کر
ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا
حضرتِ شیخ نہ سمجھے میرے دل کی قیمت
لے کے تسبیح کے رشتے میں پرونا چاہا

احسان دانش

ہ

میں بے ادب ہوا کہ وفا میں کمی ہوئی
ہونٹوں پہ کیوں ہے مہر خموشی لگی ہوئی
آنکھوں کی نیند دل کا سکوں خواب ہوگیا
میں سوچتا ہوں یہ بھی کوئی زندگی ہوئی
ممکن ہو جس طرح سے بھی طوفاں میں لو پناہ
کشتی کوئی ملی بھی کنارے لگی ہوئی
کمبخت دل جلا ہے تو گھر بھی جلا کے دیکھ
دنیا کو کچھ پتہ تو چلے روشنی ہوئی
احساس مر نہ جائے تو انسان کے لئے
کافی ہے ایک راہ کی ٹھوکر لگی ہوئی
جس کا نہ تھا خیال وہ محشر بپا ہوا
جس بات کی امید نہیں تھی وہی ہوئی
آنسو بہے تو دل کو میسر ہوا سکوں
پانی لگا تو کشتِ تمنّا ہری ہوئی
آئی نہ ان کے سامنے ہونٹوں پہ دل کی بات
ہر چند گاہ گاہ ملاقات بھی ہوئی
وہ جب بھی ملے ہیں تو یہ کہہ کے رہ گئے
مدت کے بعد آپ کو دیکھا خوشی ہوئی

کبھی مجھ کو ساتھ لے کر کبھی میرے ساتھ چل کے
وہ بدل گئے اچانک میری زندگی بدل کے
ہوئے جس پہ مہرباں تم کوئی خوش نصیب ہوگا
میری حسرتیں تو نکلیں میرے آنسوؤں میں ڈھل کے
تیری زلف و رُخ کے قربان دل زار ڈھونڈتا ہے
وہی چمپئی اجالے وہی سرمئی دھندلکے
کوئی پھول بن گیا ہے، کوئی چاند، کوئی تارا
جو چراغ بجھ گئے ہیں تیری انجمن میں جل کے
میرے دوستو! خدارا میرے ساتھ تم بھی ڈھونڈو
وہ یہیں کہیں چھپے ہیں میرے غم کا رُخ بدل کے
تیری بے جھجھک ہنسی سے نہ کسی کا دل ہو میلا
یہ نگر ہے آئینوں کا یہاں سانس لے سنبھل کے

●

جتنا سناٹا ہوا گہرا خزاں کی شام کا
آشنا رازِ چمن سے ہر کلی ہوتی گئی
کر دیا احسان دل کو دل غم و آلام نے
زندگی ناکام ہو کر کام کی ہوتی گئی

●

وصل کا خواب کجا لذّتِ دیدار کجا
ہے غنیمت جو تیرا دیدار بھی ہو جائے

ضبط بھی، صبر بھی، امکاں میں سب کچھ ہے مگر
پہلے کمبخت میرا دل تو میرا دل ہو جائے

آہ اس عاشق ناشاد کا جینا اے دوست
جس کو مرنا بھی تیرے عشق میں مشکل ہو جائے

●

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

دل کو جب بے کلی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی

جان پر کھیلتے ہیں اہلِ وفا
عاشقی دل لگی نہیں ہوتی

کیا کرو گے کسی کی دلداری
تم سے تو دلبری نہیں ہوتی

موت کی دھمکیاں نہ دو مجھ کو
موت کیا زندگی نہیں ہوتی

دردِ محبت کے ماروں کے سارے سہارے ڈوب گئے
کل ڈوبی تھی اپنی کشتی آج کنارے ڈوب گئے

تم طوفانوں سے گھبرائے، تم نے ساحل تھام لیا
ہم طوفانوں سے ٹکرائے، ہم بے چارے ڈوب گئے

دل والوں کی ہمت دیکھو، دل والوں کی قسمت دیکھو
دل کے سہارے چل نکلے تھے دل کے سہارے ڈوب گئے

جس سے صبحیں جاگ اٹھتی تھیں، وہی سویرا شام بنا
جن سے رات چمک اٹھتی تھی وہی ستارے ڈوب گئے

کشتی کے کچھ کام نہ آئی راس ہوا کی چارہ گری
جو آئے تھے پار لگانے، ساتھ ہمارے ڈوب گئے

عابد علی عابد

○

چاند ستاروں سے کیا پوچھوں کب دن میرے پھرتے ہیں
وہ تو بچارے خود ہیں بھکاری ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں
جن گلیوں میں ہم نے سکھ کی سیج پہ راتیں کاٹی تھیں
ان گلیوں میں دیا کل ہو کر سانجھ سویرے پھرتے ہیں
روپ سروپ کی جوت جگانا اس نگری میں جوکھم ہے
چاروں کھونٹ بگولے بن کر گھور اندھیرے پھرتے ہیں
جن کے شام بدن سائے میں میرا من سستایا تھا
اب تک آنکھوں کے آگے وہ بال گھنیرے پھرتے ہیں
کوئی ہمیں بھی یہ سمجھا دو ان پر دل کیوں ریجھ گیا
تیکھی چتون، بانکی چھب والے بہتیرے پھرتے ہیں
اک دن اس نے نین ملا کے، شرما کے مکھ موڑا تھا
تب سے سندر سندر سپنے من کو گھیرے پھرتے ہیں
اس نگری کے باغ اور بن کی یارو لیلا نیاری ہے
پنچھی اپنے سر پہ اٹھا کر اپنے بسیرے پھرتے ہیں
لوگ تو دامن سی لیتے ہیں جیسے ہو جی لیتے ہیں
عابد ہم دیوانے ہیں جو بال بکھیرے پھرتے ہیں

●

شوق سے خود جو میرے راہنما ہوتے ہیں
میری قسمت کہ وہی آبلۂ پا ہوتے ہیں

بادہ نوشی پر مُصر بادہ نوشی پہ خفا
مجھ حیرت ہوں کہ یہ لوگ بھی کیا ہوتے ہیں

لب سے ہوتی ہوئی آنکھوں میں ہنسی جاتی ہے
اے بتو! پیار کے اسلوب جدا ہوتے ہیں

یہی بت شب کے اندھیرے میں جو ہیں بندۂ شوق
یہی بت دن کے اُجالے میں خدا ہوتے ہیں

کوئی پروانوں کو سمجھاؤ کہ مرنے کے سوا
اور بھی چند مقاماتِ وفا ہوتے ہیں

قرض جتنے غمِ دوراں کے ہیں مجھ پر عابدؔ
غمِ جاناں کی وساطت سے ادا ہوتے ہیں

●

عندلیب شادانی

○

دیر لگی آنے میں تم کو، شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا ویسے ہم گھبرائے تو

شفق، دھنک، مہتاب، گھٹائیں، تارے، نغمے، بجلی، پھول
اس دامن میں کیا کیا کچھ ہے وہ دامن ہاتھ میں آئے تو

چاہت کے بدلے میں ہم تو بیچ دیں اپنی مرضی تک
کوئی ملے تو دل کا گاہک کوئی ہمیں اپنائے تو

سُنی سنائی بات نہیں یہ اپنے اوپر بیتی ہے
پھول نکلتے ہیں شعلوں سے، چاہت آگ لگائے تو

جھوٹ ہے سب، تاریخ ہمیشہ اپنے کو دوہراتی ہے
اچھا! میرا خواب جوانی تھوڑا سا دہرائے تو

نادانی اور مجبوری میں یارو کچھ تو فرق کرو
اِک بے بس انسان کرے کیا ٹوٹ کے دل آجائے تو

●

فیض احمد فیض

○

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گذری ہے
تلاش میں ہے سحر، بار بار گذری ہے
جنوں میں جتنی بھی گذری بہ کار گذری ہے
اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گذری ہے
ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گذری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات اُن کو بہت ناگوار گذری ہے
نہ گُل کھلے ہیں نہ ان سے ملے، نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گذری ہے
چمن پہ غارتِ گلچیں سے جانے کیا گذری
قفس سے آج صبا بے قرار گذری ہے
(جیل میں)

●

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام
دوستو اس چشم و لب کی کچھ کہو جس کے بغیر
گلستاں کی بات رنگیں ہے نہ میخانے کا نام

پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام
دلبری ٹھہری زبانِ خلق کھلوانے کا نام
اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام
اب کسی لیلیٰ کو بھی اقرار محبوبی نہیں
ان دنوں بدنام ہے ہر ایک دیوانے کا نام
محتسب کی خیر، اونچا ہے اسی کے فیض سے
رند کا، ساقی کا، مے کا، خم کا پیمانے کا نام
ہم سے کہتے ہیں چمن والے، غریبانِ چمن
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام
فیض ان کو ہے تقاضائے وفا ہم سے جنہیں
آشنا کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام

(جیل میں)

●

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں
اک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں تارے روشن
میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں
رقصِ مے تیز کرو، ساز کی لے تیز کرو
سوئے میخانہ سفیرانِ حرم آتے ہیں

کچھ ہمیں کو نہیں احسان اٹھانے کا دماغ
وہ تو جب آتے ہیں مائل بہ کرم آتے ہیں
اور کچھ دیر نہ گذرے شبِ فرقت سے کہو
دل بھی کم دکھتا ہے وہ یاد بھی کم آتے ہیں

(جیل میں)

●

شامِ فراق اب نہ پوچھ، آئی اور آکے ٹل گئی
دل تھا کہ پھر بہل گیا، جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی
بزمِ خیال میں ترے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی
جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا رات مچل مچل گئی
دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی
آخرِ شب کے ہم سفر فیضؔ نہ جانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا، صبح کدھر نکل گئی

(جیل میں)

●

احمد ندیم قاسمی

○

لبوں پہ نرم تبسّم رچا کے گھل جائیں
خدا کرے میرے آنسو کسی کے کام آئیں
جو ابتدائے سفر میں دئے بجھا بیٹھیں
وہ بدنصیب کسی کا سراغ کیا پائیں
تلاشِ حسن کہاں لے چلی خدا جانے
امنگ تھی کہ فقط زندگی کو اپنائیں
بلا رہے ہیں افق پر جو زرد رو ٹیلے
کہو تو ہم بھی فسانوں کے راز ہو جائیں
نہ کر خدا کے لئے بار بار ذکرِ بہشت
ہم آسماں کا مکرر فریب کیوں کھائیں

●

ہاتھ میں آ کے گل کچھ اس طرح کمہلائے ہیں
ہم نے جتنے دھوکے کھائے ہیں وہ سب یاد آئے ہیں
کتنی امیدوں کی شمعوں میں گھری ہے زندگی
جتنی روشن ہیں لویں اتنے ہی گہرے سائے ہیں
میری یادوں کے افق پر آپ کے وعدوں کے چاند
اس قدر چمکے نہیں ہیں جس قدر گہنائے ہیں

●

دیدنی ہے شبِ فراق کا حسن
موت آئی تو ہم بھی سو لیں گے
جبر پر اتنا اختیار تو ہے
کچھ نہ بن آئے گی تو رو لیں گے
زندگی راز ہو تو چُپ بھی رہیں
جب بھرم کھل چکا تو بولیں گے

●

تیری جوانی کے پاسباں حشر تک یونہی نوجواں رہیں گے
تیرے گلستانِ رنگ و بُو میں نسیم بن کر رواں رہیں گے
قبول ہے تیری کبریائی مگر کبھی یہ بھی تو نے سوچا
یہاں بھی تو ہے' وہاں بھی تو ہے' غریب انساں کہاں رہیں گے
میری بغاوت کا آخری آسرا ہے روزِ حساب تیرا
بہت بڑے معرکے رہیں گے بہت بڑے امتحاں رہیں گے
یہ تیرے بندے ہیں یا مقدر کے ہاتھ میں کانچ کے کھلونے
فنا سے ڈرتے رہیں گے لیکن حیات سے سرگراں رہیں گے

●

آگیا راس شکستوں کا شمار آخر کار
چھپ گئے یاد کے پھولوں میں امیدوں کے مزار
سُورج اُبھرا ہے کہ ڈوبا ہے کہ گہنایا ہے
یا فقط اپنے لہو سے ہوئی دھرتی گلنار

اتنی ارزاں تو نہ تھی درد کی دولت پہلے
جس طرف جائیے زخموں کے لگے ہیں بازار
آدمی لاکھ بڑھے، فاصلے گھٹتے ہی نہیں
چھٹتا جاتا ہے مگر چھٹ نہیں پاتا ہے غبار

●

عبدالحمید علام

○

دل ہے بڑی خوشی سے اسے پائمال کر
لیکن تیرے نثار ذرا دیکھ بھال کر
اتنا تو دلفریب نہ تھا دام زندگی
لے آئے اعتبار کے سانچے میں ڈھال کر
ساقی میرے خلوص کی شدت کو دیکھنا
پھر آ گیا ہوں گردشِ دوراں کو ٹال کر
اے دوست تیری زلفِ پریشاں کی خیر ہو
میری تباہیوں کا نہ اتنا خیال کر
لایا ہوں یوں بچا کے حوادث سے زیست کو
لاتے ہیں جیسے کوہ سے چشمہ نکال کر
تھوڑے سے فاصلے میں بھی حائل ہیں لغزشیں
ساقی سنبھال کہ میرے ساقی سنبھال کر

●

زندگی نام ہے روانی کا
کیا تھمے گا بہاؤ پانی کا
دن قیامت کا ڈھل نہ جائے
نام لے کر تیری جوانی کا
زندگی ہے کہ بے تعلق سا
ایک ٹکڑا کسی کہانی کا

جو لوگ جان بوجھ کر نادان بن گئے
میرا خیال ہے کہ وہ انسان بن گئے

ہم حشر میں گئے تھے مگر کچھ نہ پوچھئے
وہ جان بوجھ کر وہاں انجان بن گئے

ہنستے نہ ہم کو دیکھ کے اربابِ آگہی
ہم آپ کے مزاج کی پہچان بن گئے

منجدھار تک پہنچنا تو ہمت کی بات تھی
ساحل کے آس پاس ہی طوفان بن گئے

انسانیت کی بات تو اتنی ہے شیخ جی
بدقسمتی سے آپ بھی انسان بن گئے

کانٹے تھے چند دامنِ فطرت میں اے عدمؔ
کچھ پھول اور کچھ میرے ارمان بن گئے

•

ارمانوں کی جوت جگائے ایک زمانہ بیت گیا
آنسوؤں کو پروان چڑھائے ایک زمانہ بیت گیا

اب کیا ہم کو دورِ زماں ہوش میں لائے گا ساقی
ہم کو شاید ہوش میں آئے ایک زمانہ بیت گیا

عہدِ بہاراں، جوشِ جوانی، کنجِ گلستاں کی تنہائی
چاندنی راتیں اور وہ سائے، ایک زمانہ بیت گیا

آؤ عدمؔ پھر سندر سندر مورتیوں سے پیار کریں
اُجلے اُجلے دھوکے کھائے ایک زمانہ بیت گیا

سیف الدین سیف

قریب موت کھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
قضا سے آنکھ لڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
تھکی تھکی سی فضائیں بجھے بجھے تارے
بڑی اُداس گھڑی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ
نہیں امید کہ ہم آج کی سحر دیکھیں
یہ رات ہم پہ کڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
ابھی نہ جاؤ کہ تاروں کا دل دھڑکتا ہے
تمام رات پڑی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ
پھر اس کے بعد کبھی ہم نہ تم کو روکیں گے
لبوں پہ سانس اڑی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ
دمِ فراق میں جی بھر کے تم کو دیکھ تو لیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ

●

در پردہ جفاؤں کو اگر جان گئے ہم
تم یہ نہ سمجھنا کہ بُرا مان گئے ہم
اب اور ہی عالم ہے جہاں کا دلِ ناداں
جب ہوش میں آئیں تو میری جان گئے ہم
پلکوں پہ لرزتے ہوئے تارے سے یہ آنسو
اے حسنِ پشیماں تیرے قربان گئے ہم

بدلا ہے مگر بھیس غمِ عشق کا تو نے
بس اے غمِ دوراں تجھے پہچان گئے ہم
ہم اور تیرے حسن تغافل سے بگڑتے
جب تو نے کہا مان گئے مان گئے ہم
ہے سیفؔ بس اتنا ہی افسانۂ ہستی
آئے تھے پریشان پریشان گئے ہم

●

راہ آسان ہو گئی ہو گی
جان پہچان ہو گئی ہو گی
موت سے تیرے دردمندوں کی
مشکل آسان ہو گئی ہو گی
پھر پلٹ کر نگاہ نہ آئی
تجھ پر قربان ہو گئی ہو گی
تیری زلفوں کو چھیڑتی تھی صبا
خود پشیمان ہو گئی ہو گی
ان سے بھی چھین لو گے یاد اپنی
جن کا ایمان ہو گئی ہو گی
مرنے والوں پہ سیفؔ حیرت کیوں
موت آسان ہو گئی ہو گی

●

حفیظ ہوشیارپوری

○

کہیں دیکھی ہے شاید تیری صورت اس سے پہلے بھی
کہ گذری ہے میرے دل پہ یہ حالت اس سے پہلے بھی
نہ جانے کتنے جلوے پیش رو تھے تیرے جلوؤں کے
تجھی سے بار ہا کی ہے محبت اس سے پہلے بھی
سناتی ہیں کوئی افسانہ تیری سہمگیں نظریں
ہوئی ہے مجھ سے گستاخانہ جرأت اس سے پہلے بھی
میری قسمت کہ میں اس دور میں بدنام ہوں ورنہ
وفاداری تھی شرطِ آدمیت اس سے پہلے بھی

●

رازِ سربستہ محبت کے زباں تک پہنچے
بات بڑھ کر یہ خدا جانے کہاں تک پہنچے
تیری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا
سرحدِ عقل سے گذرے تو یہاں تک پہنچے

●

کون جانے ہو گئی کس کے بغیر
زندگی وہم و گماں خواب و خیال
زندگی میں اور بھی غم تھے کئی
کیوں ہمیں آیا تیرے غم کا خیال

●

قتیل شفائی

○

صدمے جھیلوں جان پہ کھیلوں اس سے مجھے انکار نہیں
لیکن تیرے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں
یہ بھی کوئی بات ہے آخر دور ہی دور رہیں متوالے
ہرجائی ہے چاند کا جوبن یا پنچھی کو پیار نہیں
ایک ذرا سا دل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو
یہ سونے کا طوق نہیں یہ چاندی کی دیوار نہیں
ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی
لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں
پھر سے وہی سیلاب حوادث جانے دو اے ساحل والو
یا اس بار سفینہ ڈوبا یا اب کے منجدھار نہیں

●

انگڑائی پہ انگڑائی لیتی ہے رات جدائی کی
تم کیا سمجھو تم کیا جانو بات مری تنہائی کی
کون سیاہی گھول رہا تھا وقت کے بہتے دریا میں
دیکھی ہے میں نے آنکھ جھکی پھر آج کسی ہرجائی کی
وصل کی رات نہ جانے کیوں اصرار تھا ان کو جانے پر
وقت سے پہلے ڈوب گئے تاروں نے بڑی دانائی کی

●

تمہاری انجمن سے اُٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
جو وابستہ ہوئے تم سے وہ افسانے کہاں جاتے
نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ میخانہ
تو ٹھکرائے ہوئے بندے خدا جانے کہاں جاتے
تمہاری بے رُخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے
چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
قتیلؔ اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا
تو پھر اپنے پرائے ہم سے پہچانے کہاں جاتے

پیار تمہارا بھول تو جاؤں لیکن پیار تمہارا ہے
یہ اک میٹھا زہر سہی، یہ زہر بھی آج گوارا ہے
ہانپ گئے پتوار، سفینے چلتے چلتے چور ہوئے
یہ ہے بھنور تو اسے ملاحو! کتنی دور کنارا ہے
ہم تو ایک انوکھی ضد میں اپنی جان پہ کھیل گئے
تم ہی بتاؤ اُجڑی راتو! کیا جیتا کیا ہارا ہے
او بے رحم مسافر ہنس کر ساحل کی توہین نہ کر
ہم نے اپنی ناؤ ڈبو کر تجھ کو پار اتارا ہے

کم کم کہو، سنبھل کے کہو، شان سے کہو
رودادِ شوق، ضبط کے عنوان سے کہو

اس میں کچھ اپنے پیار کی عزت کا ہے سوال
آجائے راہ پر دلِ نادان سے کہو

ترکِ وفا جہاں میں کوئی جرم تو نہیں
کیا تم وفا شعار ہو؟ ایمان سے کہو

اس در پہ اہلِ دل کو نہیں پوچھتا کوئی
تم اک رئیسِ شہر ہو دربان سے کہو

کیوں لے رہے ہو حضرتِ ناصح کا امتحاں
جو دل کی بات ہے کسی انسان سے کہو

ہم نے بنا لیا ہے نیا پھر سے آشیاں
جاؤ یہ بات پھر کسی طوفان سے کہو

کس منہ سے اب قتیلؔ پہ دھرتے ہو تہمتیں
یہ سب حکائتیں کسی انجان سے کہو

●

ناصر کاظمی

○

یہ شب یہ خیال و خواب تیرے
کیا پھول کھلے ہیں منہ اندھیرے
شعلے میں ہے ایک رنگ تیرا
باقی ہیں تمام رنگ میرے
آنکھوں میں چھپا کے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے

●

کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گذر گئی جرسِ گل اُداس کر کے مجھے
میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے
تیرے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انہیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے
ذرا سی دیر ٹھہر اے غمِ دُنیا
بلا رہا ہے کوئی بام سے اُتر کے مجھے
پھر آج آئی تھی ایک موجِ ہوائے طرب
سنا گئی ہے فسانے اِدھر اُدھر کے مجھے

●

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئی ہے یوں بھی طبیعت کبھی کبھی

اے دل کسے نصیب یہ توفیقِ اضطراب
ملتی ہے زندگی میں یہ راحت کبھی کبھی

جوشِ جنوں میں درد کی طغیانیوں کے ساتھ
اشکوں میں ڈھل گئی تیری صورت کبھی کبھی

تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گذری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی

کچھ اپنا ہوش تھا نہ تمہارا خیال تھا
یوں بھی گذر گئی شبِ فرقت کبھی کبھی

اے دوست ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

●

ابن انشا

○

خوب ہمارا ساتھ نبھایا، بیچ بھنور کے چھوڑا ہات
ہم کو ڈبو کر خود ساحل پر جا پہنچے ہو — اچھی بات
شام سے لے کر پو پھٹنے تک کتنی رتیں بدلتی ہیں
آس کی کلیاں — یاس کی پت جھڑ صبح کے اشکوں کی برسات
اپنا کام تو سمجھانا ہے، اے دل رشتے توڑ کہ جوڑ
ہجر کی راتیں لاکھوں کروڑوں — وصل کے لمحے پانچ کہ سات
ہم سے ہمارا عشق نہ چھینو حسن کی ہم کو بھیک نہ دو
ہم لوگوں کے دوار ٹھکانے ہم لوگوں کی کیا اوقات
روگ تمہارا اور ہے انشا بیدوں سے کیا چہل کرو
درد کے سودے کرنے والے، درد سے پا سکتے ہیں نجات

●

جوگ بیوگ کی باتیں جھوٹی، سب جی کا بہلانا ہو
پھر بھی ہم سے جاتے جاتے، ایک غزل سن جانا ہو
ساری دنیا عقل کی بیری، کون یہاں پر سیانا ہو
ناحق نام دھریں سب ہم کو دیوانہ دیوانہ ہو
تم نے اک ریت بنا لی، سن لینا شرمانا ہو
سب کا ایک نہ ایک ٹھکانا، اپنا کون ٹھکانا ہو

نگری نگری لاکھوں دوارے، ہر دوارے پر لاکھ سکھی
لیکن جب ہم بھول چکے ہیں، دامن کا پھیلانا ہو
تیرے یہ کیا جی میں آئی کھینچ لئے شرما کر ہونٹ
ہم کو زہر پلانے والی، امرت بھی پلوانا ہو
ساون بیتا، بھادوں بیتا، اُجڑے اُجڑے بن کے کھیت
کوئل دیوی کوک اٹھانا، میگھا میتھ برساتا ہو
ہم بھی جھوٹے، تم بھی جھوٹے، ایک اسی کا سچّا نام
جس سے دیپک جلنا سیکھا، پروانہ مر جانا ہو
سیدھے من کو آن دبوچے میٹھی باتیں سُندر بول
میرؔ، نظیرؔ، کبیرؔ اور انشاؔ سارا ایک گھرانا ہو

باقی صدیقی

○

آئی نہ پھر نظر کہیں، جانے کدھر گئی
ان تک تو ساتھ گردشِ شام و سحر گئی

کچھ اتنا بے ثبات تھا ہر جلوۂ حیات
لوٹ آئی زخم کھا کے جدھر بھی نظر گئی

آ دیکھ مجھ سے روٹھنے والے تیرے بغیر
دن بھی گذر گیا مری شب بھی گذر گئی

نادم ہے اپنے قرینے پہ ہر نظر
دُنیا لہو اچھال کے کتنی نکھر گئی

ملتی ہے حسبِ ظرف مئے غم بھی اے ندیم
تقدیر جو بگڑ نہ سکی وہ سنور گئی

شبنم ہو کہکشاں ہو ستارے ہوں پھول ہوں
جو شے تمہارے سامنے آئی نکھر گئی

باقی دلِ حزیں کے سنبھلنے کی دیر تھی
ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر گئی

●

حبیب جالب

○

دل کی بات لبوں پر لا کر اب تک ہم دکھ سہتے ہیں
ہم نے سنا تھا اس بستی میں دل والے بھی رہتے ہیں
بیت گیا ساون کا مہینہ موسم نے نظریں بدلیں
لیکن ان پیاسی آنکھوں سے اب تک آنسو بہتے ہیں
ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں
جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا جن کے لئے بدنام ہوئے
آج وہی ہم سے بیگانے بیگانے سے رہتے ہیں
وہ جو ابھی اس راہگذر سے چاک گریباں نکلا تھا
اس آوارہ دیوانے کو جالبؔ جالبؔ کہتے ہیں

●

کون بتائے کون سجھائے کون سے دیس سدھار گئے
ان کا رستہ تکتے تکتے نین ہمارے ہار گئے
کانٹوں کے دُکھ سہنے میں تسکین بھی تھی آرام بھی تھا
ہنسنے والے بھولے بھالے پھول چمن کے مار گئے
ایک لگن کی بات ہے جیون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا کیا پایا کیا جیتے کیا ہار گئے

آنے والی برکھا دیکھیں کیا دکھلائے آنکھوں کو
یہ برکھا برسائے دن تو بن پریتم بیکار گئے
جب بھی لوٹے پیاسے لوٹے پھول نہ پا کر گلشن میں
بھنورے امرت رس کی دھن میں پل پل سو سو بار گئے
ہم سے پوچھو ساحل والو کیا بیتی دکھیاروں پر
کھیون ہارے بیچ بھنور میں چھوڑ کے جب اس پار گئے

●

ہم نے سنا تھا صحن چمن میں کیف کے بادل چھائے ہیں
ہم بھی گئے تھے جی بہلانے اشک بہا کر آئے ہیں
پھول کھلے تو دل مرجھائے شمع جلے تو جان جلے
ایک تمہارا غم اپنا کر کتنے غم اپنائے ہیں
ایک سلگتی یاد، چمکتا درد، فروزاں تنہائی
پوچھ نہ اس کے شہر سے ہم کیا کیا سوغاتیں لائے ہیں
سوئے ہوئے جو درد تھے دل میں آنسو بن کر بہہ نکلے
رات ستاروں کی چھاؤں میں یاد وہ کیا کیا آئے ہیں
آج بھی سورج ڈوب گیا بے نور افق کے ساگر میں
آج بھی پھول چمن میں تجھ کو بن دیکھے مرجھائے ہیں

●

محشر بدایونی

○

مٹی کی عمارت سایہ دے کر مٹی میں ہموار ہوئی
ویرانی سے اب کام ہے اور ویرانی کس کی بار ہوئی

ڈر ڈر کے قدم یوں رکھتا ہوں خوابوں کے صحرا میں جیسے
یہ ریگ ابھی زنجیر بنی، یہ چھاؤں ابھی دیوار ہوئی

ہر پتی بوجھل ہو کے گری، سب شاخیں جھک کر ٹوٹ گئیں
اس بارش ہی سے فصل اُجڑی جس بارش سے تیار ہوئی

چھوتی ہے ذرا تن کو جو ہوا چبھتے ہیں رگوں میں کانٹے سے
سو بار خزاں آئی ہوگی، محسوس مگر اس بار ہوئی

وہ نالے ہیں بیتابی کے چیخ اُٹھتا ہے سناٹا بھی
یہ درد کی شب معلوم نہیں کب تک کے لئے بیدار ہوئی

اب یہ بھی نہیں ہے بس میں کہ ہم پھولوں کی ڈگر پر لوٹ چلیں
جس راہگذر پر چلنا ہے وہ راہگذر تلوار ہوئی

اب غیر ہوا کتنی ہی چلے اب گرم فضا کتنی ہی رہے
سینے کا زخم چراغ بنا، دامن کی آگ بہار ہوئی

●

شہرت بخاری

○

وہ تصوّر کہ ترے پیار نے بخشا پیارے
مر گئے ہوتے اگر ساتھ نہ ہوتا پیارے

کوئی اس داغ کا مرہم نہ ملا پر نہ ملا
چاند سے شمع تلک سب کو دکھایا پیارے

اب جہاں دشت کے سناٹے لرز اٹھتے ہیں
کل وہاں دل سا عجب شہر بسا تھا پیارے

یہ وہی پھول زمینیں ہیں، جہاں ڈھونڈے سے
آبلہ پائی کو ملتا نہیں کانٹا پیارے

●

خاطر غزنوی

○

اپنے آپ کو دھوکا دینے کو تو پریت سمجھتی ہے
ٹھنڈی آہیں بھر لینے کو پریت کی ریت سمجھتی ہے
کتنا بھولا ہے پروانہ اس پہ جال دسے دنیا ہے
جو اک ہلکے سے جھونکے کو اپنا میت سمجھتی ہے
میں نو اس کو ہار کہوں گا ہار نہیں تو کیا ہے یہ
اپنی ہٹ پر قائم رہنے کو تو جیت سمجھتی ہے
اک وہ دنیا ہے جو گیتوں میں بھی چیخیں سنتی ہے
اک وہ دنیا ہے جو چیخوں کو بھی گیت سمجھتی ہے

میری آہیں ہو کے مجسم کاغذ پر جم جاتی ہیں
لیکن اس کو ساری دنیا اپنا گیت سمجھتی ہے

●

صہبا لکھنوی

○

کتنے دیپ بجھتے ہیں کتنے دیپ جلتے ہیں
عزمِ زندگی لے کر پھر بھی لوگ چلتے ہیں
کارواں کے چلنے سے، کارواں کے رُکنے تک
منزلیں نہیں یارو راستے بدلتے ہیں
موج موج طوفاں ہے موج موج ساحل ہے
کتنے ڈوب جاتے ہیں، کتنے بچ نکلتے ہیں
بحر و بر کے سینے بھی زیست کے سفینے بھی
تیرگی نگلتے ہیں روشنی اگلتے ہیں
اک بہار آتی ہے اک بہار جاتی ہے
غنچے مسکراتے ہیں پھول ہاتھ ملتے ہیں

●

زہرہ نگاہ

○

دل بجھنے لگا عارض و رخسار کے ہوتے
تنہا نظر آتے ہیں، غمِ یار کے ہوتے
الجھی ہوئی راہیں ہیں نگاہوں میں پریشاں
غم سلجھا ہے زلفِ طرحدار کے ہوتے
تنہا سرِ محفل ہیں تو رسوا سرِ بازار
آوارہ ہیں غم کوچۂ دلدار کے ہوتے

●

خوش جو آئے تھے پشیمان گئے
اے تغافل تجھے پہچان گئے
خوب ہے صاحبِ محفل کی ادا
کوئی بولا تو بُرا مان گئے
کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ اُمنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے
اس جگہ عقل نے دھوکا کھایا
جس جگہ دل! تیرے فرمان گئے

●

صبر و ضبط کے لے کے بیشمار نذرانے
تیری یاد آئی تھی آج مجھ کو سمجھانے

تم نے بات کہہ ڈالی، کوئی بھی نہ پہچانا
ہم نے بات سوچی تھی، بن گئے ہیں افسانے
ہائے کیا مصیبت ہے ہائے کیا قیامت ہے
ہم ہی کھا گئے دھوکا ہم چلے تھے سمجھانے

●

نکھرا ہوا ہے حسن تیرے انتظار کا
اب کے خزاں میں رنگ ہے موج بہار کا
یہ ہے مآلِ ضبطِ غمِ روزگار کا
اب زندگی پہ بار نہیں تیرے پیار کا
اس راہبر کی شوخیٔ تدبیر دیکھنا
منزل کو جس نے نام دیا ہے غبار کا
پھر ملتفت ہوئے ہیں ذرا دیر کے لئے
پھر خون ہو چلا ہے کسی اعتبار کا
ڈھلنے لگا ہے رنگ نگاہوں کی گود میں
جب سے زباں پہ نام نہیں ہے بہار کا

●

محمد صفدر

O

اوس کی تمنّا میں جیسے باغ جلتا ہے
تو نہ ہو تو سینے کا داغ داغ جلتا ہے

چاند چل دیا چُپ چاپ سو گئے ستارے بھی
رات کی سیاہی میں دل کا داغ جلتا ہے

موت اِک کہانی ہے زیست جاودانی ہے
اک چراغ بجھتا ہے اک چراغ جلتا ہے

ساتھیوں سے دوری میں اک جہاں سے دوری ہے
مے میں دم نہیں ساقی اور ایاغ جلتا ہے

●

احمد فراز

○

اب کے ہم بچھڑے تو شائد کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں
ڈھونڈ اُجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں
تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں
غم بھی نشّہ ہے اسے اور فزوں ہونے دے
جاں پگھلتی ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں
اب نہ وہ ہیں، نہ وہ تو ہے نہ وہ ماضی ہے فراز
جیسے دو شخص تمنّا کے سرابوں میں ملیں

●

مرتضیٰ برلاس

○

اک بار ہی جینے کی سزا کیوں نہیں دیتے
گر حرفِ غلط ہوں تو مٹا کیوں نہیں دیتے
ایسے ہی اگر مونس و غمخوار ہو میرے
یارو! مجھے مرنے کی دعا کیوں نہیں دیتے
اس دردِ شبِ ہجر کی لذّت ہے پرانی
دینا ہے تو پھر درد نیا کیوں نہیں دیتے
سایہ ہوں تو پھر ساتھ نہ رکھنے کا سبب کیا
پتھر ہوں تو رستے سے ہٹا کیوں نہیں دیتے

●

قطعات

●

عبدالحمید عدم

اِک موج مچل جائے تو طوفاں بن جائے
اِک پھول اگر چاہے گلستاں بن جائے
اِک خون کے قطرے میں ہے تاثیر اتنی
اِک قوم کی تاریخ کا عنواں بن جائے

●

اِک حرف اِک طویل حکایت سے کم نہیں
اِک بوند ایک بحر کی وسعت سے کم نہیں
نکلے خلوصِ دل سے اگر وقت نیم شب
اِک آہ اِک صدی کی عبادت سے کم نہیں

●

کتنی صدیوں سے عظمتِ آدم
رجزِ فطرت پہ مسکراتی ہے
جب مشیت کی کوئی پیش نہ جائے
موت کا فیصلہ سناتی ہے

روح کو اِک آہ کا حق ہے
آنکھ کو اِک نگاہ کا حق ہے
ایک دل میں بھی لے کے آیا ہوں
مجھ کو بھی اک گناہ کا حق ہے

●

تیرگی کے گھنے حجابوں میں
دور کے چاند جھلملاتے ہیں
زندگی کی اداس راہوں میں
بے وفا دوست یاد آتے ہیں

●

دل کی ہستی بکھر گئی ہوتی
روح کے زخم بھر گئے ہوتے
زندگی آپ کی نوازش ہے
ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

●

میں نے پوچھا تھا اک ستارے سے
انتہا بھی سفر کی ہے کوئی
سن کے میرے سوال کو شبنم
رات بھر پھوٹ پھوٹ کر روئی
ایسے جیتا ہوں جیسے شیشے کے
ٹوٹے حصّے کو جوڑتا ہے کوئی

یا ترستی ہوئی امنگ کے ساتھ
خواب میں پھول توڑتا ہے کوئی

●

فیض احمد فیض

نہ پوچھ جب سے تیرا انتظار کتنا ہے
کہ جن دنوں سے مجھے تیرا انتظار نہیں
تیرا ہی عکس ہے ان اجنبی بہاروں میں
جو تیرے لب، تیرے گیسو تیرا کنار نہیں

●

تیرا جمال نگاہوں میں لے کے اٹھا ہوں
نکھر گئی ہے فضا تیرے پیرہن کی سی
نسیم تیرے شبستاں سے ہو کے آئی ہے
میری سحر میں مہک ہے تیرے بدن کی سی

●

نہ آج لطف کر اتنا کہ کل گذر نہ سکے
وہ رات جو کہ تیرے گیسوؤں کی رات نہیں
یہ آرزو بھی بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

●

احمد ندیم قاسمی

تمتماتے ہیں سلگتے ہوئے رخسار تیرے
آنکھ بھر کر کوئی دیکھے گا تو جل جائیگا
اتنا سیّال ہے یہ پل کہ گماں ہوتا ہے
میں تیرے جسم کو چھو لُوں تو پگھل جائیگا

●

دیکھ ری تو پنگھٹ پہ جا کے میرا ذکر نہ چھیڑا کر
کیا میں جانوں کیسے ہیں وہ کس کوچے میں رہتے ہیں
میں نے کب تعریفیں کی ہیں ان کے بانکے نینوں کی
وہ اچھے خوش پوش جواں ہیں، میرے بھیا کہتے ہیں

●

ڈھول بجتے ہیں دَنا دَن کی صدا آتی ہے
فصل کٹتی ہے، لچکتی ہے، بچھی جاتی ہے
نوجواں گاتے ہیں جب سانولے محبوب کا گیت
ایک دوشیزہ ٹھٹھک جاتی ہے شرماتی ہے

●

شہنائیوں کے شور میں ڈولی جونہی اُٹھی
ایک نوجواں کہیں سے پکارا ——— "مجھے بچاؤ"
ڈولی سے سر نکال کے بولی حسیں دلہن
کیا دیکھتے ہو جاؤ بھی للّلہ! جاؤ جاؤ

●

دل کی دھڑکن تیری پلکوں کی جھپک میں اُمڈی
دیر تک راز رہے راز تو کھُل جاتا ہے
اپنی کرنوں کو سمیٹے ہوئے ہنگامِ سفر
چاند شبنم میں اُترتا ہے تو ڈھل جاتا ہے

●

خدا کی یاد میں صدیاں گذار دیں لیکن
خدا سے صرف تحیّر کی دُھند لایا ہوں
عجب نہیں کہ خدا عرش سے اتر آئے
اب آدمی کو اپنا خیال آیا ہے

●

جب چٹانوں سے لپٹتا ہے سمندر کا شباب
دور تک موج کے رونے کی صدا آتی ہے
درحقیقت یہی ٹوٹی ہوئی بکھری ہوئی موج
اِک نئی موج میں ڈھلنے کو پلٹ آتی ہے

●

رباعیات

•

جوش ملیح آبادی

•

فنکار

•

اڑتے ہیں مقامِ غم میں تیرے اوساں
ہر اشک یہاں ہے ایک موتی کی دکاں
طوفاں میں ڈوبتی ہے تیری کشتی
میری کشتی میں ڈوبتا ہے طوفاں

•

گرداب میں ہم بصد خوشی جاتے ہیں
یوں جھوم کے مرتے ہیں کہ جی جاتے ہیں
تم وہ ہو سمندر جنھیں کھا جاتا ہے
ہم وہ ہیں سمندر کو جو پی جاتے ہیں

•

طوفاں پہ ہنستا ہے سفینہ میرا
پتھّر کو پگھلتا ہے نگینہ میرا
تُو دھوپ سے بھاگتا ہے سائے کی طرح
سُورج کو بجھاتا ہے پسینہ میرا

●

وقت

●

دانا ہے تو وقتِ گذراں کو پہچان
صدیوں کو اُٹھائے پھر رہی ہے ہر آن
ہر لحظہ گذر رہے ہیں تاریخ بہ دوش
لمحات نہیں بلکہ کروڑوں انسان

●

ایک آن کی کشمکش مٹا دیتی ہے
پل بھر کی جھجک رنگ اُڑا دیتی ہے
امید کی بے شمار قندیلوں کو
اِک سانس کی تاریخ بجھا دیتی ہے

●

آنکھوں میں بھرے عظیم قرنوں کا گداز
پلکوں میں پروئے ہوئے کونین کا راز

تم کون ہو، ٹھہرو تو ذرا مرد بزرگ
میں وقت ہوں، دور سے آئی یہ آواز

●

فیض احمد فیض

بات بس سے نکل چلی ہے
دل کی حالت سنبھل چلی ہے
اب جنوں حد سے بڑھ چلا ہے
اب طبیعت بہل چلی ہے

●

موت اپنی نہ عمل اپنا نہ جینا اپنا
کھو گیا شورشِ گیتی میں قرینہ اپنا
ناخدا دور، ہوا تیز، قریں کام نہنگ
وقت ہے پھینک دے لہروں میں سفینہ اپنا

●

وقفِ حرماں و یاس رہتا ہے
دِل ہے اکثر اداس رہتا ہے
تم تو غم دے کے بھول جاتے ہو
مجھ کو احساں کا پاس رہتا ہے

●

سیف الدین سیف

انجامِ سفر دیکھ کے رو دیتا ہوں
ٹوٹے ہوئے پر دیکھ کے رو دیتا ہوں
روتا ہوں کہ آہوں میں اثر ہو لیکن
آہوں کا اثر دیکھ کے رو دیتا ہوں

●

فارغ بخاری

کتنے ہی یہاں ایسے کنول ہوتے ہیں
کھلتے نہیں اور وقتِ اجل ہوتے ہیں
یہ بات جدا ہے کہ وہ تعمیر نہ ہوں
ہر ذہن میں کچھ تاج محل ہوتے ہیں

●

صوفی تبسم

آغوش میں آ کہ زندگانی کر لوں
کچھ روز خوشی سے زندگانی کر لوں
اک جامِ مئے طرب پلا دے ساقی
فانی ہے حیات جاودانی کر لوں

●

صہبا اختر

بیرنگ فضاؤں میں ستارے گھولیں
ظلمت کی لگائی ہوئی گرہیں کھولیں
اس سمت ذرا کیجئے چہرہ اپنا
ہم چشمۂ مہتاب میں آنکھیں دھولیں

●

پلکوں کے جھکاؤ میں پر افشاں ہے تیر
زلفوں کی ہر اک لٹ میں بہاریں ہیں اسیر
ہونٹوں سے جب آتی ہے ہنسی گالوں پر
بنتی چلی جاتی ہے ستاروں کی لکیر

●

وہ جسم جو پھولوں کی نزاکت سے تلے
وہ جسم جو مہتاب کی کرنوں سے ڈھلے
آغوش میں آیا تو ہوا یوں محسوس
اک جسم ہے ریشم کا جو لپٹے نہ کھلے

●

گیت

●

اکرام افگار

بیت گئی سکھ بیلا
دور کہیں شہنائی باجی کوئی ہوا اکیلا
بیت گئی سکھ بیلا
ہونی پریت کے ہونے کھیل میں پھانک لئے انگارے
پگ پگ اندھیارا برسائیں دھندلے چاند ستارے
چھوڑ گیا جیتا نگری میں آج سنہرا ریلا
بیت گئی سکھ بیلا
سانس کٹاری بن بن اٹکے اکھیاں بھر بھر آئیں
کندن کی تپتی بھٹی میں جھلس گئیں آشائیں
آشاؤں کی چتا پہ ناچے دکھڑا نیا نویلا
بیت گئی سکھ بیلا
پربت اور پاتال ملا کے سپن نے جوت جگائی
ویری لیکھ سے نین ملے تو ٹوٹ گئی انگڑائی
اب من سوچے پڑا اکیلا، کیوں اگنی سے کھیلا
بیت گئی سکھ بیلا
دور کہیں شہنائی باجی، کوئی ہوا اکیلا
بیت گئی سکھ بیلا

قتیل شفائی

دیا جلے ساری رات
جل جل جائے، نیر بہائے، مجھ برہن کے سات
دیا جلے ساری رات

پہنے سر پر تاج اگن کا
بھیدی میرے دل کی جلن کا
لایا اس اندھیارے گھر میں آنسوؤں کی سوغات
دیا جلے ساری رات

قدرت نے کیا رنگ دکھایا
دکھیا کے گھر دکھیا آیا
اک دوجے سے مانگ رہے ہیں خوشیوں کی خیرات
دیا جلے ساری رات

دور کہیں باجی شہنائی
تڑپ رہی اپنی تنہائی
چھوڑ دیا اک ہرجائی نے تھام کے میرا ہات
دیا جلے ساری رات

پل بھر آس کے جگنو چمکے
پھیل گئے پھر سائے غم کے
جیت کے آج وفا کی بازی پیار نے کھائی مات
دیا جلے ساری رات

جل تھل جل تھل بھیگی پلکیں
پلک پلک میرے آنسو چھلکیں
برسیں نہیں دو نینن سے بن بادل برسات
دیا جلے ساری رات

ٹوٹ گئے کیوں پیار پرانے
میں جانوں یا دیپک جانے
جلتے جلتے جل جائے پر کہے نہ دل کی بات
دیا جلے ساری رات

بھول گئیں موہے سب رنگ رلیاں
بکھر گئیں آشا کی کلیاں
ایسی چلی برہا کی آندھی ڈال رہے نہ پات
دیا جلے ساری رات

نگار صہبائی

نین جس دئے سے کاجل کاڑھوں
وہ دیپک بجھ جائے
روپ سنگار کی ایسی لگن تھی
میں نے لاکھوں دیئے بجھائے

بن کاجل کیا نین کی شوبھا
شوبھا دیپ کے سیس نوائے
دئے کی انزن نین کی شوبھا
دیپک ہنسی اڑائے

نین کی جوتی روپ کسوٹی
کاجل کے بہروپ بتائے
تن سے من کی جوت نہ جاگے
ویسے گھر جل جائے

جس ہردے میں لگن ہو سچی
کیا کیا نت نئے دیپ جلائے
سدا سہاگن کی دیوالی
جنم جنم نہ جائے

خاطر غزنوی

اور دبانے سے اُبھرے گی گیتوں کی گنجار
چلتی آندھی رُک نہیں سکتی
اُڑتی بدلی جُھک نہیں سکتی
ننھی لہریں روک سے بن جاتی ہیں تیکھی دھار
اور دبانے سے ابھرے گی گیتوں کی گنجار
کوئی قلم کو توڑ بھی ڈالے
ہونٹوں پر پڑ جائیں تالے
لیکن پھر بھی سانچ کی ہوگی ہر سو جے جے کار
اور دبانے سے اُبھرے گی گیتوں کی گنجار
لاکھ مٹا آباد رہیں گے
گیت سدا آزاد رہیں گے
پائل چاہے قید ہو لیکن قید نہیں جھنکار
اور دبانے سے ابھرے گی گیتوں کی گنجار

دوہے

صہبا اختر

اِک اِک رنگ اُجالا ناچے کرنیں چوُمیں گات
ہم سورج بنسی ہوتے تو کرتے تجھ سے بات

کب وہ سوئمبر دن آئے گا ہوگا انت وِیوگ
سپنوں کی سنجوگتا تجھ سے کب ہوگا سنجوگ

صہبا جی کیوں من کی گپھا میں بیٹھے لیے چیت سادھ
آدھ چندن رات کے دھن کو بانٹ لو آدھو آدھ

ان کے لیئے ہر بھور روپہلی سانجھ سنہری آئے
جن کے گھر میں لکشمی ناچے درگا دیپ جلائے

بانسری ہاتھ میں پکڑے منھ پر چھڑکے نیلا رنگ
سب ہی کشن بنیں تو رادھا ناچے کس کے سنگ

انتریامی کے درشن کو انتر گیانی جائے
صہبا جی بن باس سے کوئی رام نہیں بن پائے

جمیل الدین عالی

عمر گنوا کر ہم کو اپنی آج ہوئی پہچان
چڑھی ندی اور اتر گئی پر گھر ہو گئے ویران

ایک تو یہ گھنگھور بدریا پھر برہا کی مار
بوند پڑے ہے بدن پہ ایسے جیسے لگے کٹار

ساجن ہم سے ملے بھی لیکن ایسے ملے کہ ہائے
جیسے سوکھے کھیت سے بادل بن برسے اڑ جائے

گھنی گھنی یہ پلکیں تیری یہ گرماتا روپ
تو ہی بتا او نار میں تجھ کو چھاؤں کہوں یا دھوپ

کدھر ہیں وہ متوارے نیناں کدھر ہے وہ زنّار
نس نس کھنچے ہے تن کی جیسے مدرا کرے اُتار

موتی کوٹ کے مانگ بھروں چندن سے دھوؤں بال
ہائے یہ سندر رنگ انوکھا ہائے یہ تیری چال

گت میں چندن باس کا جھونکا توڑ کے کندن روپ
نیچے سر میں چھاؤں بھری ہے اونچے سر میں دھوپ

اِک اِک تال کھرچ لے من کو اک اک سر پر پیاس
اِک اِک مُرکی بدن جلائے جیسے آگ پہ گھاس

اگنی سی ہے روئیں روئیں میں، نس نس دُکھ سے چُور
عاؔلی ہم پہ جیون کا جو وار پڑا بھرپور

تہہ میں بھی ہے حال وہی جو تہہ کے اُوپر حال
مچھلی بچ کر جائے کہاں جب جل ہی سارا جال

من کے ایک علی بابا کے پیچھے لاکھوں چور
انہیں چوروں میں من یوں گھومے جیوں جنگل میں مور

روٹی جس کی بھینی خوشبو ہے ہزاروں راگ
نہیں ملے تو تن جل جائے، ملے تو جیون آگ

جنم جنم کا ساتھ تھا جن کا، انہیں بھی ہم سے بَیر
واپس لے چل اب تو عاؔلی ہو گئی جگ کی سَیر

●

متفرق اشعار

میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی
روک لی ظالم نے ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی

—— ماہر القادری

اِک بار مجھے عقل نے چاہا تھا بھلانا
سو بار جنوں نے تیری تصویر دکھا دی

—— ماہر القادری

میں تجھ کو بھول چکا لیکن اک عمر کے بعد
تیرا خیال کیا تھا کہ چوٹ اُبھر آئی

—— احمد ندیم قاسمی

راہ میں ان سے ملاقات ہوئی
جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی

—— چراغ حسن حسرت

مُدت کے بعد آئے ہیں اے راہبر جہاں
میرا قیاس ہے کہ چلے تھے یہیں سے ہم

—— عابد علی عابد

کچھ مجھے جُرات ہوئی کچھ ان کی آنکھیں جھک گئیں
ہوتے ہوتے یوں ہی اظہارِ تمنّا ہو گیا

—— حفیظ ہوشیارپوری

ٹپکے جو اشک، ولولے شاداب ہو گئے
کتنے عجیب عشق کے آداب ہو گئے

——— الطاف مشہدی

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا کافی طویل تھا

——— عدمؔ

تخلیقِ کائنات کے دلچسپ جرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

——— عدمؔ

نہ جانے کون سی منزل پہ آ پہنچا ہے پیار اپنا
نہ ہم کو اعتبار اپنا نہ ان کو اعتبار اپنا

——— قتیل شفائی

کیا موت نے بھی سیکھ لئے دلبری کے ڈھنگ
یہ طرزِ بے رُخی تو اس آرامِ جاں کی ہے

——— قیوم نظر

زندگی کی راہوں میں غم بھی ساتھ چلتے ہیں
کوئی غم میں ہنستا ہے، کوئی غم میں روتا ہے

——— خاطر غزنوی

●